فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ (قرآن)

ماہنامہ لاہور

مُحدِث

مدیر:-

حافظ عبدالرحمٰن مدنی

مجلس التحقیق الاسلامی - لاہور[16]

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی   مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے   زرِ سالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر ربینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔   ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476   موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com   www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ **مُحدّث** لاہور

جلد ۱	جمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ / اگست ۱۹۷۱ء	عدد ۹

مدیر : حافظ عبدالرحمٰن مدنی (روپڑی)

مجلسِ تحریر

حافظ ثناء اللہ (اللیسانس) اسلامی یونیورسٹی، مدینہ منورہ

مولانا عبدالسلام (اللیسانس) اسلامی یونیورسٹی، مدینہ منورہ

حافظ ثناء اللہ خاں، بی۔اے (آنرز) ایم اے (عربی، اسلامیات)

چودھری عبدالحفیظ، ایم اے (عربی، اسلامیات)

مولانا عزیز زبیدی — مولانا عبدالغفار اثر (ایم اے)

مقامِ اشاعت

مدرسہ رحمانیہ (رجسٹرڈ) گارڈن ٹاؤن ○ لاہور ۱۶

ناشر: حافظ عبدالرحمٰن مدنی — طابع: رشید احمد چودھری — مطبع: مکتبہ جدید پریس ۴۸ شاہراہ فاطمہ جناح۔ لاہور

قیمت فی مجلّہ ۹۰ پیسے

فہرست مضامین

۱۔ فکر و نظر، ——— عبد الغفار اخترؔ، ایم۔ اے ۳
ایک پکار اور دعوت فکر و عمل

۲۔ جمادی الاخریٰ ——— نواب صدیق الحسن خان ۹

۳۔ توبہ و استغفار (۱) ——— حافظ سیف الرحمٰن، بی۔ اے ۱۰

۴۔ نیا سامراج (۱) ——— آباد شاہ پوری ۱۶

۵۔ حضورؐ کے معاشی شب و روز ——— ابو الحسن محمد زکریا عمرانی، ایم۔ اے۔ ۲۳

۶۔ وہ کون ہے یہاں جو گرفتار غم نہیں؟ ——— عبد الرحمٰن عاجزؔ مالیر کوٹلوی ۲۹
(نظم)

۷۔ مستورات کے سلسلے کے چند عام مسائل ——— عزیز زبیدی ۳۱

۸۔ مفید الاحناف (۲) ——— حکیم عبد الغفور بہاری رح ۴۰

۹۔ مدرسہ رحمانیہ۔ ایک تعلیمی و تربیتی مرکز ——— حافظ عبد اللہ روپڑی ۴۸

اعتذار شمارہ جولائی ۱۹۷۱ء کے آخر میں ایک طالب علم کی نظم بعنوان "ہم اچھے تھے" غفلت سے شائع ہوگئی ہے، جس میں کئی شعری اور فنی خامیاں ہیں۔ ادارہ اس کی اشاعت پر قارئین سے معذرت خواہ ہے۔

(ادارہ)

فکر و نظر

مملکتِ خداداد پاکستان میں اسلامی نظامِ تعلیم کے لئے

ایک پکار اور دعوتِ فکر و عمل

ملتِ اسلامیہ کے عظیم فرزندو!

کاش کوئی ایسا آفاقی آلہ نشر الصوت ہوتا جس کے ذریعے وطنِ عزیز کی ہر بلندی و پستی، ہر کوہ و دمن اور ہر بستی و قریہ تک یہ آواز پہنچائی جا سکتی کہ اے ہوشمندو! خدا کے لئے سنبھلو! وہ دیکھو! صورِ اسرافیل پھونکا ہی جانے والا ہے اور قیامت سے پہلے قیامت آیا ہی چاہتی ہے، ہلاکت و بربادی اور حرمان نصیبی کا ایک طوفانِ عظیم ہے۔ جو ہمارے گھروں کو دستک دینے کے لئے تیزی سے بڑھتا چلا آرہا ہے، اپنے بچاؤ کا کچھ سامان کر سکتے ہو تو کر لو۔ ورنہ اس سیلاب کی ہلاکت آفرینیوں کے بعد تاریخِ انسانی میں ہماری عظمتوں کے قصے تو کجا "فرعون کی لاش" کی طرح آنے والوں کے لئے ہم عبرت بن کر رہ جائیں گے۔ ہر راہ رو ہم پر لعنت کے تیر برسائے گا، اور آنے والی نسلوں کے پاس بھی ہمارے لئے کوئی کلمہ خیر نہ ہوگا۔

یہ سیلابِ عظیم کیا ہے؟ یہ ہے تہذیب نو اور مغربی تمدن کے برگ و بار اور کفر و الحاد کے کانٹے، اسلام کے خلاف تشکک و شبہات کی جذبات انگیزیاں، فحاشی و ارتداد کے زہریلے تیر، دینِ مبین سے صریحاً فرار اور محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی سے عملی انکار، جسے ہم نے انگریز کے فرسودہ نظامِ تعلیم کے ذریعے آج ایک ربع صدی گذر جانے کے بعد تک پاکستان جیسی نظریاتی سٹیٹ میں روا رکھا ہوا ہے۔ پاکستان کی ابتدائی نسل جس کے اندر ایمان کے چند شرارے موجود تھے۔ قریب الاختتام

ہے، دوسری اور تیسری نسل عملاً اسلام سے برگشتہ ہو رہی ہے، عیسائیت، یہودیت اور لادینیت نے مل کر مسلم قومیت کے لئے جو جال بُنا تھا ہم اس کے اسیر ہو چکے ہیں۔ کیا اس فرمان خداوندی اور وعید الٰہی سے ہم بے خبر ہو گئے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ○

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ جہنم سے بچاؤ (جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں)۔

افسوس کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ہم اس نظامِ تعلیم کو آزادی کے چوبیس سال بعد تک بھی اپنائے ہوئے ہیں۔ جس سے زیادہ مکروہ نظامِ تعلیم کسی قوم نے اپنے بچوں کے لئے روا نہیں رکھا۔ جو خدا سے انحراف، ادب و اخلاق سے عاری اور حقوق و فرائض سے غفلت سکھاتا ہے۔ خدمت خلق کی بجائے خود غرضی، نفسانیت اور ہر قسم کی بے راہ روی سے بچوں کے اخلاق اور انسانیت کو اُلٹی چھری سے ذبح کر رہا ہے۔

یہ آگ جس سے خداوندِ قدوس نے ہمیں بچنے کا حکم دیا ہے۔ کفر و الحاد کی آگ ہے مروجہ نظامِ تعلیم اور نصاب تعلیم اسی آگ کے الاؤ ہماری ملت کے اندر جلا رہا ہے۔ جس سے اسلام کے شاہین بچوں کی وہ صلاحیتیں خاکستر ہو رہی ہیں۔ جو قرآن و اسلام کی پُرعظمت تعلیم کے ذریعہ جلا پا کر امت کی رہنمائی کے مقام تک پہنچاتی ہیں۔ اگر تعلیم کا مقصد فی الواقع معرفتِ کردگار ہے، اگر تعلیم کا مقصد بجا طور پر حقوق و فرائض کی بجا آوری ہے، اگر علم کی غرض و غایت پر امن معاشرہ کی تخلیق، ایک دوسرے کی مخلصانہ ہمدردی، سفلی جذبات سے پرہیز اور اخلاقِ عالیہ کی ترویج و توسیع ہے تو خدا کے لئے غور فرمایئے کہ ہم اس مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں، کیا ہمارے تعلیمی اداروں نے ہمارے نونہالوں کے دلوں میں اسلام کی کوئی جوت جگائی ہے؟ کیا اس سے اسوہ حسنہ کے کچھ چراغ روشن ہوتے ہیں؟ کیا قرآن فہمی اور عقل و بصیرت کے کچھ باب کھلے؟ کیا اسلام کی عظمتِ دیرینہ اور شوکت پارینہ کے حصول کی کچھ راہیں کشادہ ہوئیں؟ اگر یہ نہیں اور خدا کی قسم نہیں! تو پھر سینے پہ ہاتھ

رکھ کر فرمایئے کہ یہ بے معنی اور بے مقصد تعلیم کا بوجھ جو ہماری نسلِ نو کے کندھوں پر لاد دیا گیا ہے کیا اینٹ، پتھر اور مٹی کے بے قیمت سنگریزوں سے کچھ زیادہ حیثیت رکھتا ہے!!

کیا قرآن کریم کی یہ آیت ہم پر صادق نہیں آتی:۔

ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۚ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (جمعہ)

ان کی حالت اس گدھے کی سی ہے۔ جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں، خدا کی آیتوں کی تکذیب کرنے والوں کی مثال کتنی بُری ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت سے کبھی سرفراز نہیں فرماتے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اگر ہم نونہالانِ وطن کو صحیح اسلامی تعلیم سے محروم رکھ کر اپنے فرضِ منصبی سے غافل رہے تو سرفرازیٔ وطن کا باعث بننا تو کجا ہم ہلاکت و بربادی کے لق و دق صحرا پہنچ کر ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔

یاد رکھیے! جس طرح یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جاہل اور ان پڑھ قوموں نے عزت و عروج اور سربلندی و سرفرازی حاصل نہیں کی وہاں یہ بھی ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی ترقی کا واحد راستہ اسلامی نظامِ تعلیم کے احیاء و نفاذ کے سوا کچھ نہیں ہمارے لیے شیکسپیر، میکالے، روسو، لینن، ماؤ اور مارکس کے ہاں کوئی خوشخبری نہیں، ہمارا منبعِ تعلیم کلامِ پاک احادیثِ رسول، اسوۂ پیغمبر اور تعلیماتِ اسلام ہے۔ ہمارے مینارِ روشنی خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور قرنِ اولیٰ کے پاکباز مسلمان ہیں، ہماری تاریخ بے مثال ہیروز اور لاجواب شخصیتوں سے پُر ہے، جب ہماری قوم دنیا کی کسی قوم سے فروتر نہیں تو پھر یہ احساسِ کمتری کیوں؟ دوسروں کی دریوزہ گری کیونکر! اور پھر ان کم ظرفوں کی جو ہمارے ہی جواہر ریزوں کو چرا کر جوہری بنے بیٹھے ہیں! افسوس، ؏

"آنچہ ما کردیم با خود ہیچ نابینا نہ کرد"

اسلامی نظامِ تعلیم کی اہمیت کا احساس سب کو اچھی طرح ہے۔ گذشتہ چوتھائی صدی سے ملک کے ہر گوشہ سے ہر مکتب فکر اور طبقہ سے تعلق رکھنے والے عالموں، دانشوروں، خطیبوں سیاستدان اور اربابِ اقتدار و اختیار سے لے کر خود عزیز طلباء تک نے چیخ چیخ کر کہا کہ ہمارا موجودہ نصابِ تعلیم ہماری امنگوں اور ولولوں، ہماری تہذیب و تمدن اور ہماری روایات و نظریات کے ساتھ نہ صرف ہم آہنگ نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے اور وہی ہے جو انگریز نے ہماری قومیت کی تباہی کے لئے سازشاً تیار کیا تھا۔ اس کافرانہ نظام تعلیم کے جو نتائج نکلے ہیں وہ آپ نے دیکھ لئے ہمارا ملک الحاد اور مادیت کی رو میں بہہ رہا ہے۔ ہماری نئی پود خود اہل اسلام کے خلاف خون آشام تلوار ہاتھ میں لئے منتظر کھڑی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مستقبل کے معاشرہ میں کسی شریف آدمی کا سانس تک لینا مشکل ہو جائے گا۔ مشرقی پاکستان کی موجودہ انارکی اس کی زندہ مثال ہے موجودہ فحاشی، عریانی، بے پردگی، اور نسوانی آزادی اسی تعلیم کے مختلف مظاہر ہیں، اگر خدانخواستہ یہی شب و روز رہے تو مغربی پاکستان بھی اسلامی روایات سے تہی دامن ہو کر اسلامی نظریات کے درپئے آزار ہو جائے گا۔

کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے نام پر معرض وجود میں آنے والے اس نظریاتی ملک میں اسلام اور قرآن کی تعلیم تو نامکمل اور برائے نام ہو اور وہ بھی اختیاری، لیکن انگریزی اور دوسری لایعنی تعلیم کو ہر مقام پر بالادستی حاصل ہو۔

کیا یہ عجوبہ نہیں کہ جب اہل وطن خطرہ خطرہ کا الارم بجانے میں ہم آہنگ ہیں تو پھر وہ مل کر اس کا علاج کیوں نہیں سوچتے؟ اس کے علاج کے لئے کوئی منظم کوشش کیوں بروئے کار نہیں لاتے؟ کیا زبان سے خطرہ خطرہ پکارنے سے خطرات ٹل جایا کرتے ہیں؟ کیا موت موت چلانے سے موت پھر جاتی ہے؟ کیا محض آگ کا شور مچانے سے آگ بجھ جاتی ہے؟ یہ دنیا تو میدانِ عمل ہے، خود خداوند قدوس بھی انہی کی مدد فرماتے ہیں، جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا،

ابھی کچھ مہلت باقی ہے۔ اب بھی کہیں کہیں دین، نیکی، اخلاق اور ادب و اصلاح کے نام پر کچھ گردنیں جھک جاتی ہیں، اس لئے ملت کے ہر بہی خواہ اور پیغمبر صادق کے ہر کلمہ گو کا فرض ہے کہ پانی کے سر سے گذر جانے سے پہلے پہلے کمرِ ہمت باندھ کر میدانِ عمل میں نکل آئے۔ ورنہ یاد رکھیئے جب قوم میں دعوتِ خیر پر لبیک کہنے والوں کی تعداد غیر موثر اقلیت میں تبدیل ہو جائے گی اور اکثریت النسان نما حیوانوں بے شعور، بے غیرت اور بے دین لوگوں پر مشتمل باقی رہ جائے گی تو سمجھ لیجئے اس وقت خدا کے عذاب اور قوم کے مٹ جانے کا وقت آ پہنچا ہسپین، غرناطہ اور سقوطِ بغداد کے واقعات سے، دلی کے لال قلعہ اور شاہی مسجد کے میناروں سے ہمارے زوال کی داستانیں پوچھ لو یہی تاریخ امم ہے، یہی سنت اللہ ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ؁

تم عادت الٰہی میں کبھی تغیر و تبدل نہ پاؤ گے (بے عمل قومیں ہمیشہ مٹا دی جاتی ہیں)

اگر کوئی غلط روش معاشرہ کو ہلاکت کے جہنم کی طرف دھکیل رہی ہو، آپ کا حساس دل اس روش سے رنجیدہ اور ملول خاطر بھی ہو اور اس غلط روش کے مضر اثرات ملک و ملت سے بڑھ کر آپ کی ذات تک بھی پہونچنے والے ہوں تو پھر جان لیجئے کہ یہیں سے ہم سب کی ذمہ داری شروع ہو جاتی ہے۔ اور یقیناً ہم سب خدا تعالیٰ کے ہاں اسکے لئے جوابدہ ہوں گے۔

اب بھی وقت ہے۔ کل داورِ محشر کے ہاں جب پیش ہوں گے، کیونکر کہو گے کہ جاننے کے باوجود جان نہ سکے؟ آنکھوں کے باوجود دیکھ نہ سکے؟ دل و دماغ کے باوجود سوچ نہ سکے؟ اور ہاتھوں کے باوجود عمل سے عاری رہے؟ جاگتے تھے لیکن سوئے ہوؤں سے بدتر تھے! تو پھر خدارا سوچئے ہمیں مسلمان کہلانے کا کیا حق ہے؟

کیا یہ برائیاں روز روشن میں صاف اور واضح طور پر ہم اپنی ناک کے نیچے دیکھ نہیں رہے، کیا ان میں تدریج اضافہ نہیں ہو رہا؟ کیا برائی خم ٹھونک کر میدان میں نہیں آ رہی اور نیکی کونوں گوشوں میں سمٹ نہیں رہی ؟

جب ہر قسم کی برائیاں اس طرح نمودار ہو جائیں تو کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ خاموش تماشائی بنا رہے اور بے غیرت انسان کی طرح سب کچھ گوارا کر کے عافیت کے گوشے تلاش کرتا پھرے۔ اس وقت تو ساری فائز المرامی یہی ہے کہ بڑھ کر بدی کے اس عفریت کا سر کچل کر رکھ دیا جائے۔ خواہ اس راہ میں جان ناتواں بھی جان آفرین کے سپرد کر دینی پڑے۔

خدارا ایسا نہ ہو کہ طاغوتی طاقتیں بڑھتی رہیں اور جرأت و جواں مردی سے اسے روکنے والا کوئی ہاتھ آگے نہ بڑھے! اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی کسی برائی نے سر اٹھایا اس کا راستہ روکنے والے اولوالعزم لوگ میدان عمل میں ڈٹ گئے، یہ قافلہ عزم و استقامت بڑھتا ہی رہا، گو اسے لاکھ کانٹوں سے الجھایا گیا، گالیوں کی بوچھاڑ، سنگ و خشت کی بارش اور ظلم و تعدی کے خنجر ان کو رواں دواں ہونے سے روک نہ سکے۔ کیا آپ انہیں جلیل القدر اسلاف کے فرزند نہیں ہیں؟

کیا آپ اپنی تاریخ میں یہ لکھوانا چاہتے ہیں کہ اس دور میں کوئی قافلہ حق ہی نہ تھا جو آگے بڑھ کر برائی کا راستہ روک لیتا؟ کوئی پاکباز گروہ نہ اٹھا جو سنّت اسلاف کو زندہ کر کے اسلام کو سر بلند رکھتا؟ کیا یہ معاشرہ بالکل ہی بانجھ ہو چکا ہے؟ کیا نیکی ختم ہو چکی اور صلاحیتیں جواب دے چکی ہیں؟ کیا خدا کے طرف داروں اور رسول اکرم ؐ کے جانثاروں سے دنیا خالی ہو چکی ہے؟

اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ۝

"کیا تم میں کوئی سمجھ بوجھ والا شخص نہیں رہا"؟

نہیں نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ابھی اس دنیا میں سعید روحیں یقیناً باقی ہیں، ہم اس تاریک ماحول میں کھڑے انہی سعید روحوں کو اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

کی روشنی میں پکار رہے ہیں اور خداوند قدوس کی رحمت کاملہ سے پر امید ہیں کہ اصحابِ بدر کی طرح اگر چند مخلص اور باعمل لوگ آج بھی منظم ہو گئے تو ایک بار پھر کلامِ پاک میں مرقوم اس حقیقت عظمٰی کے اعتراف پر ساری دنیا مجبور ہو جائے گی :-

کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ،

یعنی بسا اوقات ایسا ہوا کہ اللہ کے حکم سے قلت نے کثرت پر فتح پائی۔

اے ملتِ اسلامیہ کے جانبازو! اور اے ناموس مصطفٰے کے محافظو! شاید یہ سعادت آپ ہی کی قسمت میں لکھی ہو کہ تعمیر ملت کا یہ عظیم کام آپ سے لیا جائے گا۔ نیکی کسی کی جاگیر نہیں۔ اس راہ میں امیر غریب، اچھے بُرے اور چھوٹے بڑے کی کوئی تخصیص نہیں۔ آپ خدا کا نام لے کر آگے بڑھیں اور پاکستان میں اسلامی نظامِ تعلیم رائج کرنے کا تہیہ کر لیں، ایک تنظیم اور ایک سلیقہ کے ساتھ اپنی ساری توانائیاں اسی مقصد کے حصول کے لئے صرف کر دیں اور انجام خدا پر چھوڑ دیں۔ ؎ اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے؟

پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے؟ (عبد الغفار اثر)

جُمادی الاولیٰ و جُمادی الاُخریٰ

(علامہ نواب صدیق الحسن خان رحمۃ اللہ علیہ)

ان دونوں مہینوں کی فضیلت کے متعلق کوئی آیت یا حدیث نظر سے نہیں گذری جو عبادات عموماً سر انجام دی جاتی ہیں، اس ماہ میں بھی ان عبادات پر متوجہ رہنا چاہیئے۔

راقم الحروف کی پیدائش ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ بروز یک شنبہ ہوئی تھی، یک شنبہ لغت عرب میں یوم الاحد کہتے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کا قائل پیدا کیا۔ میری پیدائش کا وقت اشراق کا تھا، خدائے پاک نے میرے سینۂ بے کینہ کو علمِ شرع و توحید کے آفتاب کا مشرق بنایا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمِنَّةُ ،

حافظ سیف الرحمٰن فاضلِ عربی۔ بی اے

توبہ و استغفار

صرف ذاتِ الٰہی ہی وہ ذات ہے جو ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہے۔ اس کی ذات میں عیب جوئی کفر اور الحاد کے مترادف ہے۔ اس کی مخلوق خواہ نبی ہوں یا ولی، اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیاں ہوں یا اس کے پاکباز بندے سبھی اپنی ہفوات اور لغزشوں کے معترف ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم نے بندۂ مومن کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ مومن سے گناہ سرزد نہیں ہوتے بلکہ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (اٰل عمران)

یعنی مومن جب کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے اپنی جان پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔

ایک اور مقام پر مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝ (آل عمران)

کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔

سورہ ذاریات میں فرمایا:

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

مزید برآں کتاب اللہ اور حدیثِ رسول پر غور کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ گناہ کا ارتکاب مشیتِ ایزدی کے عین موافق ہے، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَلَجَآءَ بِقَوْمٍ يُّذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ (مسلم)

مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے گا اور ایسی قوم پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے۔ پھر اللہ رب العزت سے گناہ کی معافی کی التجا کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں معافی عنایت فرمائیں گے۔

ان قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کی یہ صفت نہیں کہ صغائر و کبائر سے کلیۃً پاک ہو اور اپنی تمام زندگی میں گناہ کی آلودگی سے محفوظ رہا ہو۔ بلکہ مومن اور کافر دونوں ہی گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ البتہ ان میں امتیازی فرق یہ ہے کہ مومن سے گناہ ہو جاتا ہے، کرتا نہیں ہے۔ اس سے بھول اور سہو ہو جاتی ہے۔ عمداً اور ارادۃً ایسا نہیں کرتا۔ پھر اس بھول پر ساری عمر نادم اور پشیمان رہتا ہے اور بار بار اپنے سابقہ گناہ کو یاد کر کے بارگاہِ ایزدی میں معافی کی درخواست کرتا ہے۔ ایک دفعہ گناہ کا مرتکب ہونے کے بعد پھر اس گناہ کے نزدیک آنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس کے برعکس کافر جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ بار بار کرتا ہے۔ اور گناہ پر اصرار کرتا ہے۔ اپنے کیے پر نادم نہیں ہوتا۔ اور گناہ کو موجبِ فخر تصور کرتا ہے۔ عمداً ایسا کرتا ہے۔ گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد اسے اپنے اس فعلِ قبیح پر ندامت یا خفت محسوس نہیں ہوتی۔ سب سے بڑھ کر گناہوں

یں غرق ہونے کے باوجود اپنے خالق حقیقی کی بارگاہ میں معافی کی درخواست پیش نہیں کرتا۔

استغفار کی اہمیت

غلطی اور لغزش سرزد ہو جانے کے بعد بارگاہ ایزدی میں سر بسجود ہونا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنا اور آئندہ کے لیے ایسے فعلِ بد سے توبہ کرنا مومنوں کی ایک اعلیٰ صفت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے امتِ محمدیہ کو اور ان کے رہبرِ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار تاکید فرمائی ہے کہ اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (محمد)

اپنے اور مومن مرد اور عورتوں کے گناہوں کی خاطر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○ (نصر)

اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کیجیے اور اس سے معافی مانگیے بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

سورہ مومن میں اللہ عز وجل فرماتے ہیں:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ○

اپنی لغزش کی معافی مانگیے اور صبح و شام اپنے پروردگار کی حمد اور پاکی بیان کیجیے۔

علاوہ ازیں بیشتر مقامات پر استغفار کا ذکر ہے۔ یہاں پر یہ بات قابل غور و فکر ہے کہ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی عہد طفولیت کی ہو یا ایام شباب کی، مکی ہو یا مدنی تمام کی تمام ہی بے عیب اور بے داغ گزری ہے۔ امت محمدیہ کے تمام مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ سرور کائنات کی حیاتِ مبارکہ سفید چادر کی طرح بے داغ تھی۔ اور معمولی سے معمولی دھبۂ عصیاں بھی کسی نے نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ مشرکین مکہ آپ کے سخت ترین دشمن ہونے کے باوجود آپ کی ذاتِ گرامی پر کوئی عیب نہیں لگا سکے۔ سوا اس کے کہ آپ کو ساحر یا کاہن کا خطاب دیں۔ آپ کی امانت، شجاعت، صداقت، صبر و استقلال اور زہد و عبادت وغیرہ اس قدر تھیں کہ آپ کو پیکرِ صفاتِ حسنہ یا مجسمۂ اخلاقِ حسنہ کہا جائے تو پھر بھی صحیح معنوں میں آپ کی ستودہ

صفات کی تعریف کماحقہٗ ادا نہیں ہوگی۔ ہر قسم کے گناہ سے آپؐ کی ذاتِ گرامی مبرا و پاک تھی اور آپؐ معصوم عن الخطا تھے۔ اس کے باوجود خالقِ کائنات نے اپنے حبیب پاک کو بار بار استغفار کی تلقین فرمائی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ دراصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کا اسلوب بیان اور کتابوں سے انوکھا اور نرالا ہے جب کسی حکم کی تاکید مقصود ہوتی ہے تو اس وقت امت کے علاوہ امت کے رہنما کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ اور زور دیا جاتا ہے۔ مقصود و مدعا یہ ہوتا ہے کہ یہ حکم اتنا اہم اور ضروری ہے کہ اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ بلکہ حکم دیا گیا کہ پہلے اپنے لیے اور پھر دیگر مومن مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ رب العزت سے گناہوں کی معافی کے لیے التجا کیجئے۔ جب سید المرسلین کا یہ حال ہے تو عام مومنین جو شبانہ روز لغزشوں اور غلطیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کے لیے استغفار کی کس قدر ضرورت ہوگی؟

استغفارِ آدمؑ

انبیائے سابقین کی سوانح عمریوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کہ کس طرح انہوں نے اپنے پروردگار کے آستانہ پر جھک کر اپنی غلطیوں کا اقرار کیا اور اپنی لغزشوں کی معافی مانگی۔ سب سے پہلے ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے ایک باب پر نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کہ شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے میں شیطانِ لعین کے بہکانے پر کتنی عجلت سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآنِ عزیز میں ان کے اس فعل کو عصیاں سے تعبیر کیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ (طٰہٰ) حضرت آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بھول گئے۔

اس غلطی کی پاداشں میں انہیں لباسِ جنت سے محروم ہونا پڑا بلکہ جنت سے دیس نکالا ملا گیا اور کرۂ ارض کی طرف دھکیلے گئے۔ زمین پر آکر ایک عرصۂ طویل اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آہ و زاری کرتے ہوئے اپنی لغزش کی معافی ان الفاظ میں مانگتے رہے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

اے ہمارے پروردگار ہم نے (شجر ممنوعہ کا پھل کھا کر گناہ کیا ہے اور) اپنی جان پر ظلم کیا ہے اگر تو نے ہمیں معافی نہ دی اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خسارہ پانے والوں میں ہو جائیں گے

چنانچہ اللہ تعالیٰ کو ان کی تضرع اور عاجزی سے دعا کرنا اور معافی مانگنا پسند آئی اور ان کی توبہ قبول فرما کر اپنی برگزیدہ اور پسندیدہ ہستیوں میں شامل کر لیا۔

استغفارِ نوحؑ

جب طوفانِ نوح آتا ہے تو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کشتی میں سوار ہو جاتے ہیں اور اپنے بیٹے کنعان سے کہتے ہیں "بیٹا! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ" لیکن ان کا بیٹا کشتی میں سوار ہونے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "میں کسی پہاڑ کے دامن میں پناہ لے لوں گا" چنانچہ جب طوفانی امواج کی لپیٹ میں آتا ہے تو حضرت نوح علیہ السلام پدرانہ شفقت سے مغلوب ہو کر بارگاہِ ایزدی میں دعا کرتے ہیں کہ "الٰہی! میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے" اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ درخواست ناگوار گزرتی ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کو ڈانٹ آتی ہے کہ "اے نوح! یہ تیرے اہل میں شامل نہیں ہے کیونکہ اس کے اعمال صالح نہیں ہیں، تم میرے سامنے ایسی درخواست مت کرو، کسی کی غلط اور ناجائز سفارش کرنا جاہلوں کا کام ہے" حضرت نوح علیہ السلام اپنی غلطی کا فوراً اعتراف کرتے ہیں اور ندامت میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی غلطی کی معذرت ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

رَبِّ إِنِّيٓ أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِۦ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِيٓ أَكُن مِّنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ۝ (سورہ ہود)

اے باری تعالیٰ میں تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں ایسا سوال کرنے سے جس کا مجھے علم نہیں اگر تو نے مجھے معافی نہ دی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت ھود

حضرت ہود کی قوم شرک و بت پرستی میں مبتلا تھی، ہر قسم کے صغائر و کبائر ان کی فطرت بن چکی تھی، حضرت ہود علیہ السلام قوم کی یہ زبوں حالی دیکھ کر انہیں نصیحت فرماتے ہیں:

يَٰقَوْمِ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ ط (سورہ ھود)

اے میری قوم! اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ کے لیے توبہ کرو۔

حضرت صالح

حضرت صالح علیہ السلام سب سے پہلے اپنی قوم کو دعوتِ توحید دیتے ہیں پھر جب ان کی قوم شرک اور فسق و فجور سے باز نہیں آتی تو انہیں ہدایت فرماتے ہیں:

فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ (سورۃ ہود)

اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف توبہ تائب ہو جاؤ۔ بیشک میرا پروردگار نزدیک ہے دعائیں قبول فرماتا ہے۔

انہوں نے توبہ و استغفار کرنے کے بجائے اس اونٹنی کو ـــــ جو پہاڑ سے بطورِ معجزہ نکلی تھی اور ایک تالاب کا پانی وہ پیتی تھی اور دوسرے روز قومِ صالح کے مویشی پیتے تھے ـــــ مار ڈالا۔ اللہ تعالٰی نے حضرت صالح کو تسلی دی کہ تین روز تک انہیں متاعِ زندگی سے بہرہ مند ہو لینے دیجئے پھر ہمارا عذاب آئے گا۔ چنانچہ ایک ہولناک چیخ سے تمام قومِ ثمود کا قلع قمع ہو گیا۔ یہ ہلاکت اور تباہی انکارِ استغفار کے باعث ہوئی۔ اگر یہ لوگ اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور گناہوں سے توبہ تائب ہو جاتے تو عذابِ الٰہی ٹل جاتا اور انہیں معافی مل جاتی۔

استغفارِ ابراہیم

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان بہت بلند اور ارفع ہے۔ ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ اگر تعمیرِ بیت اللہ کا حکم ملا تو اپنے فرزندِ ارجمند حضرت اسماعیل کو ساتھ لے کر تعمیرِ کعبہ میں مصروف ہو گئے۔ اگر اکلوتے بیٹے کی قربانی کا حکم ملا تو اس کی تعمیل میں معمولی تاخیر بھی نہیں کی۔ اگر انہیں رضائے الٰہی کی خاطر اپنی جان کی قربانی دینی پڑی تو اس سے سرِ مو انحراف نہیں کیا بلکہ توحیدِ الٰہی کی خاطر نمرود کی آگ میں بصد شوق مردانہ وار کود گئے۔ انہوں نے استغفار ان الفاظ میں کی ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے والدین اور تمام مومنوں کی بخشش فرمائیے جس دن قیامت قائم ہو گی۔ ـــــ بلکہ اپنے والد کے لیے مخصوص دعا مانگنے کا وعدہ فرمایا:

حضرت صالح

حضرت صالح علیہ السلام سب سے پہلے اپنی قوم کو دعوتِ توحید دیتے ہیں پھر جب ان کی قوم شرک اور فسق و فجور سے باز نہیں آتی تو انہیں ہدایت فرماتے ہیں ۔

فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ (سورۂ ھود)

اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف توبہ تائب ہو جاؤ ۔ بیشک میرا پروردگار نزدیک ہے دعائیں قبول فرماتا ہے ۔

انہوں نے توبہ و استغفار کرنے کے بجائے اس اونٹنی کو ——— جو پہاڑ سے بطورِ معجزہ نکلی تھی اور ایک تالاب کا پانی وہ پیتی تھی اور دوسرے روز قومِ صالح کے مویشی پیتے تھے ——— مار ڈالا ۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت صالح کو تسلی دی کہ تین روز تک انہیں متاعِ زندگی سے بہرہ مند ہو لینے دیجئے پھر ہمارا عذاب آئے گا ۔ چنانچہ ایک ہولناک چیخ سے تمام قومِ ثمود کا قلع قمع ہو گیا ۔ یہ ہلاکت اور تباہی انکارِ استغفار کے باعث ہوئی ۔ اگر یہ لوگ اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور گناہوں سے توبہ تائب ہو جاتے تو عذابِ الٰہی ٹل جاتا اور انہیں معافی مل جاتی ۔

استغفارِ ابراہیم

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان بہت بلند اور ارفع ہے ۔ ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے ۔ اگر تعمیرِ بیت اللہ کا حکم ملا تو اپنے فرزندِ ارجمند حضرت اسمٰعیل کو ساتھ لے کر تعمیرِ کعبہ میں مصروف ہو گئے ۔ اگر اکلوتے بیٹے کی قربانی کا حکم ملا تو اس کی تعمیل میں معمولی تاخیر بھی نہیں کی ۔ اگر انہیں رضائے الٰہی کی خاطر اپنی جان کی قربانی دینی پڑی تو اس سے سرِ مو انحراف نہیں کیا بلکہ توحیدِ الٰہی کی خاطر نمرود کی چخہ میں بصد شوق مردانہ وار کود گئے ۔ انہوں نے استغفار ان الفاظ میں کی ہے ۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

اے میرے پروردگار ! مجھے اور میرے والدین اور تمام مومنوں کی بخشش فرمائیے جس دن قیامت قائم ہو گی ۔ ——— بلکہ اپنے والد کے لیے مخصوص دعا مانگنے کا وعدہ فرمایا ؛

جناب آباد شاہ پوری

نیا سامراج

جناب آباد شاہ پوری صاحب کا یہ مقالہ ان کی ایک زیر طبع کتاب "سوشلزم اور اسلامیان روس" کا ایک باب ہے۔ اس باب میں انہوں نے مستند کتابوں اور خود یہودی مآخذ کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ سوشلزم کا نہ صرف تانا بانا یہودیوں نے بنا تھا، بلکہ روس، یورپ اور امریکہ میں سوشلسٹ تحریک کے علمبرداروں اور رہنماؤں کی بھاری اکثریت بھی یہودیوں ہی پر مشتمل تھی، آباد شاہ پوری ایک اہلحدیث علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں اور آجکل ملک کے مشہور ماہنامے اردو ڈائجسٹ میں مدیر معاون ہیں، ——— ادارہ

زاروں کا روس انقلاب کی راہ پر ایک عرصے سے گامزن تھا۔ زاروں کی مستبد اور مطلق العنان حکومت کے نتیجے میں بے چینی صرف مقبوضہ علاقوں ہی میں پھیلی ہوئی نہ تھی، بلکہ خود روس کے اندر جوالا مکھی کھول رہا تھا۔ بنیادی حقوق، قانون ساز اسمبلی، معاشی انصاف، قانون کی عملداری کے قیام اور اقتصادی استحصال کے خاتمے کا مطالبہ عام ہو گیا تھا۔ زارشاہی استبداد، ہوا کے رخ کو بھانپنے کے بجائے اس مطالبے کو طاقت سے کچلنے میں مصروف تھا مگر آگ تھی، کہ بڑھتی جاتی تھی، حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے زیر زمین تحریکیں زور شور سے کام کر رہی تھیں، ہر طرف دہشت پسندی کا دور دورہ تھا۔ امن و اطمینان رخصت ہو گیا تھا۔ قتل و غارت اور تخریبی وارداتیں عام ہو گئی تھیں۔ سوشلزم دانش ور طبقے، طلبہ اور مزدوروں میں بڑی تیزی اور بے پایاں وسعت کے ساتھ جڑ پکڑ رہا تھا۔ زارشاہی کے مستبدانہ قوانین نے کسی معقول، تعمیری اور اعتدال پسندانہ نقطۂ نظر کے لئے کام کرنے کے مواقع کلیتہً معدوم کر رکھے تھے اور سازشی و تخریبی قوتوں کی بن آئی تھی۔ ان قوتوں میں سوشل ڈیموکریٹس[۱] اور جیوش بنڈ (JEWISH BUND) کے یہودی پیش پیش تھے۔ انارکسٹوں (ANARCHISTS)، ہلسٹوں (NIHILLISTS)

۱؎ حاشیہ اگلے صفحہ پر

اور دہشت پسندوں (TEPRORISTS) کی بھاری تعداد انہی جماعتوں اور قوتوں پر مشتمل تھی۔ یہ ساری قوتیں سوشلزم کی علمبردار تھیں اور ان کی رہنمائی یہودیوں یا یہودی النسل عیسائیوں کے ہاتھ میں تھی۔

سوشلزم کا تاریخی ارتقاء

آگے بڑھنے سے پہلے سوشلزم کی پیدائش، اس کے تاریخی پس منظر اور اس کے ارتقاء میں کارفرما قوتوں پر ایک مختصر سی نظر ڈال لینا ضروری ہے۔ روس میں زیر زمین سرگرمیوں کا آغاز اٹھارہویں صدی کے وسط میں ہوا یہ وہ دور تھا جب یورپ میں انقلابی افکار کی رَو عام ہو چکی تھی۔ انقلابی مفکرین کی کتابیں پھیل رہی تھیں۔ ان مفکرین کی اکثریت یہودیوں کے ان نظریات سے متاثر تھی جو "غیتو یعنی باڑوں میں پروان چڑھ رہے تھے۔ یورپ کے مسیحی معاشرے میں یہودیوں کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا

اس نفرت کا بنیادی سبب تو یہ تھا کہ عیسائی عوام و خواص انہیں یسوع مسیح کا قاتل سمجھتے تھے، لیکن ان کے اپنے کرتوتوں اور عیسائی معاشرے میں انتشار انگیز

لہ سوشل ڈیموکریٹس وہ لوگ ہیں جو سوشل ڈیموکریٹک پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ آگے چل کر یہ پارٹی بالشویک اور منشویک دو حصوں میں بٹ گئی۔ بالشویک معنی ہیں۔ اکثریت اور منشویک کا مطلب ہے اقلیت۔ بالشویکوں کا لیڈر لینن تھا۔ اور یہی پارٹی بعد ازاں کیمونسٹ پارٹی کہلائی بالشوزم کا لفظ جہاں کہیں استعمال ہوا ہے اس کا مطلب ہے وہ سائنٹفک سوشلزم یا کیموزم جس کا علمبردار لینن تھا۔ بالشوزم کی اس صورت کو بعض اوقات لینن ازم بھی کہتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ دلچسپ بات پیش نظر رہے کہ اگرچہ بالشویک سوشل ڈیموکریٹک پارٹی میں اقلیتی گروپ تھے، لیکن بالشویک (یعنی اکثریتی گروپ) کہلائے۔ اس کے برعکس جن کو یہ منشویک (اقلیتی گروپ) کہتے ہیں، وہ درحقیقت اکثریتی گروپ تھا۔ اور محض لینن کی عیاری کے ہاتھوں شکست کھا گیا تھا۔ (سلہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

ہتھکنڈوں کا اس نفرت کو شدید تر بنانے میں زبردست ہاتھ تھا۔ نسلی برتری کے غرور اور خدا کی چہیتی قوم ہونے کے زعمِ باطل سے پیدا ہونے والا عمومی طرزِ عمل عیسائیوں کے لئے سخت تکلیف دہ تھا۔ اس پر طرّہ یہ کہ ہر ملک میں اقتصادی زندگی کی شہ رگ ان کے ہاتھ میں تھی۔ تجارت پر ان کا قبضہ تھا۔ بڑے بڑے بنک اور ساہوکارے انہوں نے کھول رکھے تھے نہ صرف عیسائی کسان اور جاگیردار ان کے سودی کاروبار کے پھیلے ہوئے جال میں گرفتار تھے۔ بلکہ جنگوں اور ہنگامی ضرورتوں کے وقت حکومتیں بھی ان سے قرض لینے پر مجبور تھیں، اقتصادی لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا۔ بالآخر ۱۵۵۵ء میں پوپ پال چہارم نے "غیتو" (GHETTO) یعنی یہودی باڑے قائم کرنے کے احکام جاری کر دیئے۔ ان قوانین کا از سرِ نو احیاء ہوا جو بارہویں اور تیرہویں صدی میں لیٹران کی تیسری اور چوتھی کونسلوں نے منظور کئے تھے۔ ان کے تحت کوئی غیر یہودی کسی یہودی کی ملازمت یا ماتحتی میں کام نہیں کر سکتا تھا۔ حکم جاری کیا گیا کہ یہودی ہر وقت امتیازی بیج لگا کر رہیں۔ اور عیسائیوں کے درمیان نہ رہیں، ان کی مذہبی کتابیں ضبط کر لی گئیں۔ تمام اہم مناصب اور پیشوں سے محروم کر دیا گیا۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں کے دروازے بند کر دیئے گئے [۱]

غیتو۔ سوشلزم کی نرسری

پوپ نے تو "غیتو" (یہودی باڑے) یہودیوں کی سازشوں سے عیسائی معاشرے کو محفوظ رکھنے کے لئے کھڑے کئے تھے، عملاً ان سے ان کی سازشی ذہنیت کو اور جِلا ملی "غیتو" کی زندگی میں انہوں نے اپنی اجتماعی زندگی کو تلمود کے پیش کردہ خطوط پر استوار کرنے کی جدوجہد کی اسی زندگی سے آگے چل کر "کمیون" (COMMUNE) سسٹم کا تصور وضع کیا گیا، انہی خطوط پر یہودیوں نے فلسطین آباد ہوتے وقت "کبٹز" KIBBUTZ یعنی مشترک جائداد اور اجتماعی ملکیت کے تصور پر مبنی بستیاں بسائیں [۲] "غیتو" نے آہستہ آہستہ ریاست در ریاست کی صورت اختیار کر لی۔ ہر "غیتو" کا انتظام ایک مقامی کونسل کرتی تھی، مقامی

[۱] مقالہ: JEWS، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ ۱۹۶۴ء جلد ۱۳، ص ۵۷،

[۲] حاشیہ اگلے صفحہ پر۔

ربّی جس کا چیئرمین ہوتا تھا، اسے سب سے زیادہ اختیارات حاصل تھے۔ وہ کونسل کے فیصلوں پر نظرِثانی کر سکتا تھا۔ ان کی اپنی عدالتیں تھیں۔ جن میں دیوانی مقدمات کے فیصلے ہوتے، صرف فوجداری مقدمات میں انہیں ریاست کی عدالتوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ غیر یہودی حکام کے ساتھ رابطہ قائم رکھنے کے لئے ایک افسر رابطہ نامزد کیا جاتا۔ پرائمری تعلیم ہر یہودی بچے کے لئے لازمی تھی یہ تعلیم اندھی ہوتی تھی۔ تاہم یہودی سیکولر تعلیم بھی پرائیویٹ طور پر حاصل کرتے جس کا انتظام ہر

---

۵ کبٹز کے بارے میں تفصیلات کے لئے دیکھئے، عبدالوہاب کیالی کی کتاب، "الکیبوتز او المزارع الجماعیۃ فی اسرائیل" جو منظمۃ التحریر الفلسطینیۃ مرکز الابحاث بیروت نے شائع کی ہے، یہ کتاب انگریزی میں بھی اسی ادارے کی طرف سے چھپ چکی ہے (مصنف کے پیش نظر اس کا عربی ایڈیشن ہے۔ اس کتاب میں کیالی نے جو بات کہی ہے۔ اسرائیلی اخبارات، مصنفین اور لیڈروں کے حوالے سے کہی ہے۔ مختصر یہ کہ ان بستیوں میں ملکیت مشترکہ ہوتی ہے (سوشلزم میں بھی یہودی اہل فکر ملکیت کو مشترکہ قرار دیتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کبٹز میں ملکیت صرف بستی میں آباد یہودی خاندانوں کی ہوتی ہے۔ سوشلسٹ حکومت میں اسے حکومت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے، ان بستیوں میں سب خاندان مشترکہ طور پر رہتے ہیں، ازدواجی زندگی بس زن وشو کے تعلقات تک محدود ہے، بچوں کے ساتھ ماں باپ کا تعلق برائے نام ہوتا ہے۔ بچے اجتماعی نرسریوں میں پلتے اور ہوسٹلوں میں رہتے ہیں، ماں باپ انہیں وہیں جا کر ملتے ہیں۔ ایک ایک عورت کے کئی شوہر اور ایک ایک مرد کی کئی (بے نکاحی) بیویاں ہوتی ہیں۔ نکاح وطلاق کو بورژوائی روایت قرار دیا جاتا ہے۔ آزاد محبت اور آزاد ہوس رانی پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ مرد اور عورت کبٹز کے وسیع ہال میں کھانا کھاتے ہیں۔ زن وشو کے تعلقات کے لئے "حمام" بنائے گئے ہیں۔ زرعی اور صنعتی پیداوار کی آمدنی کا مالک "کبٹز" ہوتا ہے۔ جس کی انتظامیہ کو "کبٹز" کے ارکان ووٹوں سے منتخب کرتے ہیں۔

صاحب حیثیت یہودی خاندان خود کرتا تھا۔

سترھویں صدی عیسوی میں یہودیوں کو اسپین سے نکالا گیا، تو ان کے بے شمار خاندان مغربی اور شمالی یورپ میں آباد ہوئے۔ ان لوگوں کو مسلمانوں کے عہد حکومت میں اسپین میں اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں نفوذ حاصل تھا۔ اسپین میں مسلمانوں نے جو یونیورسٹیاں قائم کیں جن کے فارغ التحصیل یورپی نوجوان یورپ میں علمی و فکری بیداری کی تحریک کے آغاز کا سبب بنے۔ ان سے یہودیوں نے پورا پورا استفادہ کیا تھا۔ تعلیمی و طبی اداروں اور حکومت کے اعلیٰ مناصب پر یہ لوگ فائز تھے چنانچہ ایک صدی تک عیسائی حکومت کے جبر و تشدد کا شکار رہنے کے باوجود جب یہ لوگ اسپین سے نکل کر یورپ میں آباد ہوئے تو علم و ہنر میں یورپی عیسائیوں سے کہیں آگے تھے۔ یورپ کے جن علاقوں میں یہ لوگ آباد ہوئے وہاں انہوں نے تعلیم کے فروغ اور جدید یورپ کے افکار و نظریات کی تشکیل و فروغ میں بھرپور حصہ لیا۔

"غیتو" زیادہ تر مشرقی یورپ میں قائم تھے، ان کا مقصد عیسائی آبادیوں کو یہودیوں سے الگ تھلگ رکھنا اور ان کے اثرات سے محفوظ کرنا تھا، عملاً اس طرح یہودی اچھوت بن کر رہ گئے تھے! بایں ہمہ یہ علیحدگی ان کے لئے قومی نقطۂ نظر سے اس قدر مفید ثابت ہوئی کہ جن علاقوں میں عیسائی حکمرانوں نے رواداری سے کام لیتے ہوئے انہیں عام ملکی زندگی سے نہیں کاٹا تھا، وہاں انہوں نے از خود درخواست کی کہ ان کے لئے "غیتو" تعمیر کئے جائیں۔[1]

"غیتو" کی اس زندگی کے دوران میں ان کے اندر کئی تحریکیں اٹھیں۔ متعدد افراد نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ ان تحریکوں اور مدعیان مسیحیت نے یہودیوں میں عیسائی اقتدار سے آزادی اور غیر یہودی دنیا پر چھا جانے کا جذبہ پیدا کیا۔ یورپ میں عقلیت پرستی اور حریت

---

[1] اس موضوع کے لئے دیکھئے یہودی مصنف الفریڈ للنتھال کی کتاب، WHAT PRICE ISRAEL کا پہلا باب،

پسندی (لبرلزم) کی لہر کے پیچھے "غیتو" کی چار دیواری میں پرورش پانے والا یہی جذبہ اور تصور کارفرما تھا۔ اس وقت عیسائی معاشرے کی بنیادی قوت دو ادارے تھے، پہلا ادارہ کلیسا تھا اور دوسرا حکومت و ریاست۔ کلیسا کا اثر ہر جگہ حکومت پر غالب تھا۔ اور وہی سب سے زیادہ یہودیوں کا مخالف تھا۔ اس اثر کو ختم کرنے کے لئے پہلے مذہب و سیاست کی تفریق کا نظریہ پیش کیا اور پھر سرے سے مذہب کے بنیادی عقائد ہی کو ڈائنامیٹ کر دیا۔ عیسائی بادشاہ یہودیوں کے خلاف نفرت و عناد کی فضا پیدا کرنے میں برابر کے حصہ دار تھے۔ ان کی قوت کو توڑنے کے لئے ان کی مطلق العنانی استبداد اور جاگیر دارانہ نظام۔ جس پر پوری ریاست کا سیاسی ڈھانچہ قائم تھا ـــــ کے خلاف آواز بلند کی اور جاگیرداری کے خاتمے، شہری آزادیاں اور شہری حقوق دینے اور اقتدار میں عوام کو حصہ دار بنانے کی تحریک شروع کی۔

لبرلزم کی یہ تحریک نہایت سازگار ماحول میں اٹھی۔ یورپ صدیوں تک فکری و تہذیبی پستیوں میں غرق رہنے کے بعد ابھر رہا تھا۔ نئی نئی علمی و فکری راہیں کھل رہی تھیں سائنس کے میدان میں تحقیقات زور شور سے جاری تھیں۔ نئے نئے انکشافات ہو رہے تھے۔ بھاپ کی قوت کے انکشاف سے صنعت کی دنیا میں انقلاب آگیا تھا۔ کارخانے اور فیکٹریاں قائم ہو رہی تھیں۔ تنگ نظر کلیسا نے جس کے پاس صرف محدود سی اخلاقی تعلیمات کے سوا اجتماعی زندگی کے مسائل کا کوئی حل نہ تھا، اس علمی و فکری انقلاب کو خلاف مذہب قرار دے دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کے تعلیم یافتہ طبقے اور پادریوں کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔ عیسائی حکومتوں نے پادریوں کا ساتھ دیا اور فکر جدید کے علمبرداروں پر سخت ظلم توڑے اس کا ردِ عمل جدید مفکرین اور دانش ور طبقے میں مذہب اور برسرِ اقتدار جاگیردار اور حکمران طبقے کے خلاف نفرت اور فکری و سیاسی آزادی کی تڑپ کی صورت میں ہوا۔ یہودی نظریات نے اس نفرت کو مزید ہوا دی سیاسی حقوق اور شہری آزادیوں کے پردے میں یہودی مفکرین نے عیسائی دانشوروں کو اپنے حق میں استعمال کیا۔ ان مفکرین میں موسے میڈلسون (۱۷۲۹ء – ۱۷۸۶ء) کو نمایاں مقام حاصل

ہے۔ یہ خود بڑا راسخ العقیدہ یہودی تھا۔ مگر عیسائی معاشرے میں فکری و سیاسی نفوذ پانے کے لئے یہودیوں کو جدید طرزِ زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتا تھا۔ اس نے عیسائی اہل فکر کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ پرشیا کا بیوروکریٹ کرسچن ولہم یورپ کا پہلا شخص تھا۔ جس نے یہودیوں کے حق میں علانیہ آواز بلند کی۔ انقلاب فرانس کے فکری علمبرداروں میں والٹیئر، روسو اور مانٹیسق صف اول میں شمار کئے جاتے ہیں۔ موخر الذکر دونوں مفکرین یہودی فکر سے متاثر اور ان کے زبردست حامی تھے، چنانچہ انقلابِ فرانس میں بنیادی طور پر یہودیوں ہی کا ذہن کام کر رہا تھا۔ اس انقلاب میں یہودیوں نے عیسائی عوام سے کہیں زیادہ جوش و خروش سے حصہ لیا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ JEWS کے مصنف کے الفاظ میں "انقلاب فرانس یہودیوں کے لئے آزادی کا پیغام لے کر آیا اور اس تاریک دور کا خاتمہ ہو گیا۔ جو ۳۱۱ء سے ۱۷۸۹ء کی طویل مدت پر پھیلا ہوا تھا۔" ۲۸ ستمبر ۱۷۹۱ء کو فرانسیسی اسمبلی نے یہودیوں کو ووٹ دینے کا حق دیا۔ اس کے بعد مغربی اور شمالی یورپ کے ملکوں میں یہودیوں کو حقوق ملے ان ملکوں کی اقتصادی زندگی پر تو وہ پہلے ہی چھا چکے تھے اب سیاسی زندگی پر بھی چھا گئے۔ خود اپنے قومی دائرے میں ہر جگہ اسرائیل کے ماضی کو سائنسی انداز میں پیش کیا گیا۔ اخبارات و رسائل نکلنے لگے، اعلیٰ تعلیمی ادارے کھل گئے۔ طباعتی انجمنیں وجود میں آگئیں عجائب گھر قائم ہوئے۔ جن میں یہودی قوم کی تاریخ ماضی کی تصویر کشی کی گئی تھی۔ مشرقی یورپ اور روس میں البتہ صورتِ حالات اب بھی مختلف تھی۔ یہاں یہودیوں سے نفرت پہلے ہی کی طرح شدید رہی اور مختلف وقفوں کے ساتھ منظم قتل عام ہوتا رہا۔ نفرت اور موت کی اس مہیب فضا سے نکلنے کے لئے بہت سے یہودی خاندانوں نے عیسائیت قبول کر لی، تاہم جب علمی و فکری تحریک کا آغاز مغربی اور شمالی یورپ میں ہوا مشرقی یورپ اور روس کے یہودی بھی اس سے متاثر ہوئے "گھیٹو" کی چار دیواریوں میں جدید تعلیمی ادارے کھل گئے، عبرانی تعلیم کا احیاء ہوا۔ سیاسی و شہری حقوق حاصل کرنے کے بجائے روسی زاروں کا تختہ الٹ کر سوشلسٹ ریاست قائم کرنے اور فلسطین پر قبضہ

جناب ابوالحسن محمد زکریا عمرانی ایم اے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی شب و روز

حضورؐ کی زندگی کا ہر لمحہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ہر لمحہ قابلِ ستائش اور قابلِ رشک اور آپؐ کا ہر قول و فعل رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے، آپ ایک ہی وقت میں ہادی بھی تھے اور مرسل بھی، غازی بھی تھے اور تاجر بھی آپؐ کی ساری زندگی اس لحاظ سے قابلِ صد افتخار ہے کہ آپؐ اپنی عمر کے کسی بھی حصہ میں معاشی لحاظ سے کسی پر بوجھ نہیں بنے، آپ اپنے ہاتھ سے کام کرتے اور اپنی روزی خود کماتے، نہ صرف اپنے لیے بلکہ محتاجوں، مفلسوں اور تہیدستوں کیلئے بھی۔ آپؐ پر زندگی میں فراخی اور کشادگی کے وقت بھی آئے مگر آپؐ نے کبھی بھی عیش و عشرت اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کو پسند نہ کیا بلکہ زاہدانہ زندگی کو اپنایا اور قلب و روح کی آبیاری ذکرِ الٰہی سے فرمائی۔

بچپن میں بچپن کا زمانہ جسے بادشاہی دور سے تعبیر کیا جاتا ہے جب کہ بچے کو کھیل کود سے بڑھ کر اور کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی، مگر قربان جائیے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ اس زمانے میں بھی لہو و لعب سے احتراز کرتے تھے اور کام کاج میں حتی المقدور خاندان کا ہاتھ بٹاتے تھے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا اور اپنی روزی کا انحصار دوسروں پر کرنے کو پسند نہ فرماتے تھے۔

آنحضرتؐ کی رضاعی والدہ آپؐ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں۔ آپؐ بھی ان کی ہر خواہش کا احترام کرتے اور ہر ممکن طریقے پر خدمت کے لئے تیار رہتے اور اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریوں کا ریوڑ چرانے چلے جاتے، حالانکہ اس وقت آپؐ کی عمر زیادہ سے زیادہ پانچ سال کی تھی، جب آپؐ کی عمر دس بارہ سال کی ہوئی تو آپؐ نے بڑی سرگرمی سے اپنے چچا کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ آپؐ نے اپنے ہم عمروں کے ساتھ بکریاں بھی چرائیں۔ عرب میں اونٹ بکریاں چرانا کوئی عیب کی بات نہ سمجھی جاتی تھی، اچھے اور شریف گھرانوں کے بچے بھی بکریاں چرایا کرتے تھے۔

میدانِ تجارت میں جوان ہوتے ہی آپؐ نے تجارت کو بطور پیشہ اختیار کیا کیونکہ یہ قریش کا پُرانا مشغلہ تھا، آپؐ کے چچا ابو طالب بھی تاجر تھے اسی لئے آپؐ نے بھی تجارت کو ہی ذریعہ معاش بنایا، بچپن میں جب آپؐ کی عمر بارہ، تیرہ سال تھی اپنے چچا کے ساتھ شام کا سفر کیا، تجارتی منڈیوں کا نشیب و فراز بغور دیکھا۔ اسی سفر میں کافی تجربہ حاصل کیا اور جلد ہی تجارت میں شہرت حاصل کر لی، آپؐ کی دیانت داری، امانت اور راست بازی کا گھر گھر چرچا تھا۔ اس لئے لوگ اپنا سرمایہ آپؐ کو شراکت کی غرض سے دیتے تھے، آپؐ اپنی نیک خصائل اور معاملے کی صفائی کی وجہ سے لوگوں میں نہایت ہی مقبول تھے، لوگ آپؐ کو "امین" اور "صادق" کہہ کر پکارتے اور نہایت ہی احترام کی نگاہ سے آپؐ کو دیکھتے تھے۔ آپؐ نے شام، بُصریٰ اور یمن کے کئی کامیاب سفر کئے اور انتہائی نیک شہرت حاصل کی۔

جب حضرت خدیجہؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے کاروبار میں شراکت کے لئے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور آپؐ کو کہا کہ جو معاوضہ دوسروں کو دیتی ہوں، آپؐ کو بھی دوں گی۔ چنانچہ آپؐ نے ان کی اس پیش کش کو قبول فرمالیا اور سامانِ تجارت لے کر شام کا رُخ کیا۔ اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی آپؐ کے ساتھ تھا جو آپؐ کی تاجرانہ صلاحیتوں سے بہت متاثر ہوا اور واپس آکر اس نے خدیجہؓ سے اس کا ذکر کیا۔ اس سفر میں آپؐ کو توقع سے بڑھ کر منافع حاصل ہوا!

خدمتِ خلق آپؐ کی امانت و دیانت اور صداقت و راست بازی کو دیکھ کر حضرت خدیجہؓ نے آپکو شادی کا پیغام بھیجا جو آپؐ نے قبول کر لیا، چند دن بعد عرب کی اِس پاکباز خاتون اور دُنیا کے جلیل القدر امین کی شادی ہوگئی، حضرت خدیجہؓ نہایت شریف خاتون تھیں جنکا شمار عرب کے بڑے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنا تمام مال حضورؐ کی تحویل میں دے دیا۔

آنحضرتؐ تمام تاجرانہ اوصاف حمیدہ سے موصوف تھے، شادی کے بعد آپؐ نے بڑے وسیع پیمانے پر تجارت شروع کر دی۔ اس سے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ہوئی۔

آپؐ نے تجارت سے حاصل ہونے والی دولت سے محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی

فرمائی۔ آپؐ کا دستر خوان سرائے عام تھا، خادم ہمہ وقت خدمت کے لئے موجود رہتے تھے۔ چونکہ حضورؐ کے چچا ابو طالب کثیر العیال تھے۔ اس لئے آپؐ نے حضرت علیؓ کی کفالت اپنے ذمہ لی اور ان کی دیکھ بھال کا خوب حق ادا کیا۔ اسی کاروبار میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت دی اور خصوصی نوازشات سے آپؐ کو نوازا سورت والضحیٰ کی اس آیت میں آپؐ کی اسی حالت کا ذکر کیا گیا ہے۔ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ،

ترجمہ: "پہلے تم تنگ دست تھے پھر اس نے تمہیں تونگر بنا دیا۔"

صفوان بن سلیم کہتے ہیں ایک دفعہ قبل از بعثت میں نے حضورؐ سے کچھ اونٹ مانگے تو آپؐ نے ایک سو اونٹ مرحمت فرمائیے۔ میں نے اور مانگے تو آپؐ نے ایک سو اور عنایت کئے۔ میں نے مزید مانگے تو آپؐ نے ایک سو اور اونٹ عطا کئے۔

آپؐ نے نبوت جیسی عظیم ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ تجارت کو بھی بطور ذریعہ معاش جاری رکھا تاکہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانے پڑیں۔ ہمیں بہت سے آپؐ کے ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے بعد از بعثت آپؐ کی تاجرانہ زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں تھا اور میرا اونٹ کثرتِ سفر کی وجہ سے بُری طرح سے تھک چکا تھا، اس کی رفتار بہت سست تھی، آنحضرتؐ نے جب اونٹ کی یہ حالت دیکھی تو اسے ایک ضرب لگائی، بس پھر کیا تھا، اونٹ ایسی عمدہ رفتار سے چلنے لگا کہ اس سے پہلے کبھی ایسی رفتار نہ چلا تھا۔ پھر آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ جابرؓ! تم یہ اونٹ مجھے ایک اُوقیہ (۴۰ درہم) میں فروخت کر دو۔" میں نے عرض کی جناب میں حاضر ہوں اور ساتھ یہ شرط بھی کر لی کہ میں گھر تک اس پر سواری کروں گا۔ میں نے مدینہ منورہ پہنچ کر اونٹ آپؐ کے حوالے کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ انہیں اونٹ کی قیمت نقد ادا کر دو۔

حضرت عروہ بارقیؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک دینار دیا تاکہ میں آپؐ کے لئے (منڈی سے) ایک بکری خرید لاؤں۔ میں نے دینار سے دو بکریاں خریدیں، ان میں سے ایک کو ایک دینار کے بدلے فروخت کر دیا۔ اور دوسری بکری اور ایک دینار لا کر آپؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دی

آپؐ نے بکری رکھ لی اور دینار اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیا اور میرے حق میں دُعا کی "کہ اللہ تعالیٰ تجھے تجارت میں ہمیشہ نفع بخشے" آپؐ کی دُعا کا یہ اثر ہُوا کہ میں اگر مٹی بھی خرید لیتا تو اللہ تعالیٰ مجھے نفع عطا فرماتے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپؐ نے ایک راہگیر قافلہ سے ایک اونٹ خریدا، اور ان سے کہا کہ قیمت واپس آکر ادا کرتا ہوں، جب آپؐ قافلے سے کچھ فاصلے پر چلے گئے تو ان میں سے ایک آدمی نے کہا کہ بھئی ہمیں خریدار کا پتہ تو پوچھ لینا چاہیئے تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے دھوکہ ہو جائے۔ ان میں سے ایک خاتون بولی "مطمئن رہو یہ چہرہ دھوکہ دینے والا نہیں"

ایک دفعہ آپؐ نے ایک غیر مسلم سے ایک گھوڑا خریدا، جب آپؐ گھوڑا لے کر جا چکے تو بائع کو خیال آیا کہ گھوڑا سستا گیا۔ تب اس نے مختلف ہتھکنڈوں سے گھوڑا واپس کرانا چاہا۔ بائع نے گھوڑے کی واپسی کا تقاضا کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ بھئی میرے اور تمہارے درمیان اس کا سودا ہو چکا ہے۔ اب واپسی کیسی؟ بائع نے کہا "اس پر شاہد پیش کریں" وہ جانتا تھا کہ سودے کے وقت وہاں اور کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ یہ سارا ماجرا ایک مسلمان بھی سُن رہا تھا۔ وہ فوراً پکار اُٹھا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ گھوڑا تم سے خریدا ہے۔ جب بائع جا چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شہادت دینے والے مسلمان سے پوچھا کیا تم ہمارے سودے کے وقت حاضر تھے؟ اس نے جواباً کہا حضور حاضر تو نہ تھا مگر مجھے یقین تھا کہ آپؐ جو کہتے ہیں وہ سچ ہے کیونکہ آپؐ کی زبانِ مبارک سے کبھی جھوٹ سرزد نہیں ہُوا، اس لئے مجھے شہادت دینے میں کسی قسم کا تامل نہ ہُوا۔

آپؐ کبھی کبھار بازار میں بھی خرید و فروخت کے لیے چلے جاتے اور ضرورت کی اشیا خرید لاتے، ایک مرتبہ آپؐ غلہ منڈی میں گئے وہاں غلّے کا ایک انبار لگا ہُوا دیکھا۔ آپؐ نے اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اوپر خشک غلہ ہے اور نیچے بھیگا ہُوا یا اُوپر اعلیٰ قسم کا غلہ اور نیچے رَدی قسم کا۔ اس پر آپؐ نے دوکاندار کو بُلایا اور اُسے تنبیہہ فرمائی کہ یاد رکھو مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا۔ "جو آدمی دھوکہ دیتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

آپؐ نے نبوت کی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تجارت کو ترک نہیں کیا تھا بلکہ اسے بطور ذریعہ معاش تادمِ آخر جاری رکھا جیسے کہ مذکورہ بالا واقعات سے عیاں ہے۔ آپؐ صحابہ کرامؓ کو اصولِ تجارت سے آگاہ

فرماتے اور انہیں تجارت کے اپنانے کا مشورہ دیتے، یہی وجہ ہے کہ جو صحابہ کرامؓ آپؐ کے زیادہ قریب رہے وہ فنِ تجارت میں ماہر زیادہ ثابت ہوئے اور انہیں خوب ترقی ہوئی اور تجارت سے کمائی ہوئی دولت سے اشاعتِ اسلام کا کام لیا۔

فتوحات سے قبل آپؐ کا اصل اور بنیادی ذریعہ معاش تو تجارت ہی تھا مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہلِ اسلام کو دنیاوی جاہ و جلال سے نوازا اور خطۂ ارضی پر ایک اسلامی مملکت کا قیام عمل میں آیا تو حضور اکرمؐ کے ذرائع معاش میں بھی اضافہ ہو گیا جیسے مالِ غنیمت کا خمس، مالِ فے، خصوصاً اراضی فدک اور سلاطین و ملوک کی طرف سے تحائف وغیرہ، ان ذرائع سے جو مال حاصل ہوتا اس سے اپنے اہل و عیال کا واجبی خرچہ سال بھر کا رکھ لیتے اور باقی تمام مال فی سبیل اللہ خرچ کر دیتے۔

مالِ غنیمت کا خمس

مقاتلہ اور جنگ کے بعد کفار کے جن اموال پر مسلمانوں کا قبضہ ہو اس کو غنیمت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے غنیمت کے مال کو یوں تقسیم فرمایا ہے کہ کل مالِ غنیمت کی چھوٹی بڑی چیز کو ایک جگہ جمع کر کے اس کے پانچ حصے کئے جائیں چار حصے غازیوں کے ہیں جو لڑائی میں شریک ہوئے اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے کئے جائیں، ان میں سے ایک حصہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے دوسرا حصہ آپؐ کے اقرباء کا، تیسرا حصہ یتیموں کا، چوتھا حصہ مسکینوں کا اور پانچواں حصہ محتاج اور نادار مسافروں کا ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ آیت میں اسی حکم کی تفصیل مذکور ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خمس سے جو حصہ ملتا تھا آپؐ اس سے اپنی گھریلو ضروریات کو پورا فرماتے اور ازواجِ مطہرات کو سال بھر کا خرچہ دے کر باقی جو کچھ بچتا اسے محتاجوں اور مفلسوں پر خرچ کر دیتے اور ضرورت سے زائد مال کو ایک دن کے لئے بھی گھر میں نہ رکھتے بلکہ اسے فوراً بانٹ دیتے تھے۔

اراضی فدک

فے وہ مال ہے جو دشمنوں سے لڑے بھڑے بغیر حاصل ہو، جیسے صلح سے یا کوئی لاوارث شخص مسلمانوں کے ملک میں ہو اس کے مرنے کے بعد جو کچھ اس کا سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگے یا خراج کے طور پر مال ملے وہ سب مالِ فے کہلائے گا۔ اراضی فدک بھی مالِ فے ہے کیونکہ وہ بغیر جنگ و جدال مسلمانوں کے ہاتھ لگی تھیں۔

اہلِ فدک کو جب معلوم ہُوا کہ مسلمانوں نے خیبر کو فتح کر لیا ہے تو انہوں نے محیصہ بن مسعود کے ذریعے مسلمانوں سے فدک کا تصفیہ' شرائط پر طے کیا تھا جن شرائط پر خیبر کا معاملہ طے ہُوا تھا، یعنی کھیتی باڑی اہلِ فدک کریں گے اور پیداوار کا نصف حصّہ مسلمانوں کو ملے گا۔

اراضی فدک چونکہ مالِ فے تھا اس لیے وہ خاص رسُول اللہ کی مِلک ٹھہری مَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ ۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کی تفصیل یُوں بیان فرمائی ہے۔

فدک سے جو آمدنی موصُول ہوتی تھی آپؐ اس سے اپنے قریبی اقرباء کو باقاعدہ حصّہ دیتے اور ضرورت سے زائد مال کو عامۃ المسلمین کی فلاح و بہبود پر صرف کرتے تھے۔

فدک ۶ھ کے آخر میں فتح ہُوا تھا، یہ آپؐ کے لیے مستقل آمدنی کا ذریعہ تھا۔ اس کی اراضی کو اپنے مسلمانوں میں تقسیم نہیں کیا تھا، کیونکہ یہ بوجہ مالِ فے آپؐ کے لیے مخصوص تھا۔ اراضی خیبر کو آپؐ نے غازیانِ اسلام میں تقسیم کر دیا تھا۔ بعض روایات کے مطابق آپؐ خیبر کی آمدنی سے بھی کچھ حصّہ گھریلو ضروریات کیلئے لیتے تھے، کیونکہ خیبر کی بعض بستیاں فدک کی طرح ہاتھ آئی تھیں۔

اسی طرح اراضی بنی نضیر بھی مالِ فے ہی تھا جو کہ رسُول اللہ کے لیے مخصوص تھی۔ آپؐ اس سے ازواجِ مطہرات کو نان نفقہ دیتے اور باقی تمام مال سے ملکی حفاظت و دفاع کی خاطر ہتھیار خریدتے اور فوجی ضروریات پر صَرف کرتے تھے۔

تحائف صحابہ کرامؓ، یہودی اور عیسائی جو چیزیں آپؐ کو بطور تحفہ بھیجتے آپؐ اُسے قبول فرما لیتے مگر مشرک کا ہدیہ لینے سے انکار فرما دیتے۔ عموماً آپؐ کو کھانے کی چیزیں، سواری کے جانور اور دیگر ضروریات کی اشیا ہدیہ میں دی جاتی تھیں، گاہے بگاہے آپؐ بھی انہیں تحفے ارسال فرماتے تھے۔

سلاطین کی طرف سے بھیجے ہُوئے تحائف کو آپؐ اپنے صحابہؓ میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ ہاں جو چیز آپؐ کو پسند ہوتی تھی وہ اپنے لیے رکھ لیتے تھے۔ چند تحائف کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ ایک دفعہ دیباج کی قبائیں آپؐ کے پاس ہدیہ میں آئیں، ان پر سونے کا کام کیا ہوا تھا۔ آپؐ نے انہیں بعض صحابہؓ میں تقسیم کر دیا۔ اور ان میں سے ایک قبا آپؐ نے

مخرمہ بن نوفل کے لئے رکھ دی۔ جب مخرمہ اپنے لڑکے مسعود کے ساتھ آیا تو آپؐ نے اس کا استقبال کیا، اور وہ قبا اس کو دیدی ۔۔۔ مقوقس حاکمِ اسکندریہ نے آپؐ کو ہدیہ بھیجا اس میں ماریہ قبطیہؓ اور سیرینؓ بھی تھیں، ایک خچر، ایک گدھا اور کئی اور ضرورت کی اشیائیں تھیں حضورؐ نے حضرت ماریہؓ کو اپنے لئے پسند فرمایا وہ آپؐ کی اُمّ الولد تھیں، حضرت سیرینؓ کو حضرت حسانؓ کو بخش دیا،

شاہ نجاشی نے آپؐ کو ہدیہ بھیجا آپؐ نے اُسے قبول فرمایا، اور اس کے بدلے خود بھی نجاشی کے لئے ہدیہ روانہ فرمایا، اسی طرح فروہ جذامی نے آپؐ کو سفید خچر ہدیہ بھیجا جس پر غزوہ حنین میں آپؐ سوار ہوئے تھے۔

وہ کون ہے یہاں جو گرفتارِ غم نہیں؟

عبدالرحمٰن "عاجز" مالیر کوٹلوی، لائلپور،

دل کیا کہا، عزیز نہیں، محترم نہیں
تیری نظر کی زد میں ہے یہ بات کم نہیں

منڈلا رہا ہے، سر پہ ترے طائرِ اجل
پھر بھی لحد کی فکر، قیامت کا غم نہیں

جو درد مجھکو تیری نظر نے عطا کیا،
تری قسم، وہ نعمتِ عظمیٰ سے کم نہیں

رختِ سفر نہ کھول، نقوشِ قدم نہ دیکھ
کیا تو مسافرِ رہِ ملکِ عدم نہیں

آخر شکایتِ غمِ دنیا سے فائدہ،
وہ کون ہے یہاں جو گرفتارِ غم نہیں؟

گھبرا نہ زندگی کے نشیب و فراز سے
جس کو مداومت ہو کوئی ایسا غم نہیں

غم کی متاعِ بیش بہا اس کی دین ہے
اب دل میں کوئی خواہشِ جاہ و حشم نہیں

رقص و سرود، بزمِ طرب محفلِ نشاط
ہرگز یہ شانِ امتِ خیر الامم نہیں

وہ سرفراز ہو نہ سکا راہِ عشق میں
جو آستانِ پاک پہ ہر وقت خم نہیں

خالق کو چھوڑ کر جھکے مخلوق کی طرف
عاجز کا یہ اصول خدا کی قسم نہیں،

مولانا عزیز زبیدی۔ واربرٹن

مستورات کے سلسلے کے چند عام مسائل

کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں، جو بری ہوتی ہیں اور برائی کا سبب بنتی ہیں، لیکن یوں عام ہوتی ہیں، جیسے شرعاً ان میں کوئی قباحت ہی نہ ہو ـــــ اس لیے اصلاحِ حال کی طرف نہ ذہن جاتا ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

اس فرصت میں ہم اس سلسلے کے صرف وہ چند امور سامنے رکھیں گے، جو مستورات سے تعلق رکھتے ہیں جو حد درجہ خطرناک ہیں مگر حد درجہ عام بھی ہیں۔

اجلے اور بھڑکیلے کپڑے

عورتوں کے لیے نفیس اور عمدہ کپڑے پہننا مباح ہے، وہ ریشمی ہوں یا سلکی اور سوتی، گراں سے گراں تر ہوں اور قیمتی سے قیمتی ـــــ سبھی کچھ مباح ہے لیکن فرض نہیں ہے اور نہ ہی وہ غیر مشروط ہے۔ اجلے کپڑوں سے غرض، ذوق کی تسکین ہو، تعیش مقصود نہ ہو، نفاست پسندی محرک ہو، نمود و نمائش نہ ہو، لباس کی یہ جادوگری اور ٹھاٹھ باٹھ کی یہ ساحری کسی کے لیے بھی فتنہ سامان نہ ہو اور نہ ہی ان کی یہ شاہزادگی فخر و مباہات کی موجب ہو ـــــ مگر افسوس! اس پاکیزہ اور صاف ستھرے لباس کی سرزمین سے عموماً غیر پاکیزہ ذہنیت اور ناپاک کریکٹر کی ہی تخلیق ہو جاتی ہے۔ اس لیے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

استعینوا علی النساء بالعری فان احداھن اذا کثرت ثیابھن واحسنت

زینتها اعجبها الخروج [۱]

کہ عورتوں کو کپڑے کم دیا کرو۔ جب ان کے پاس خوبصورت کپڑے زیادہ ہو جاتے ہیں، تو ان کو گھروں سے باہر نکلنے کا شوق چرانے لگ جاتا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے بعینہٖ یہی روایت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً روایت کی ہے یعنی حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے۔

"عورت فطرۃً نمود پسند ہے، اس کا جی چاہتا ہے کہ اسے کوئی دیکھے اور تڑپ جائے۔ اس لیے جب وہ بھڑکیلے لباس کے ساتھ لیس ہو جاتی ہے تو قتلِ عامؒ کے ارادہ سے نکل کھڑی ہوتی ہے۔"

اس انداز اور اسلوب سے بن سنور کر باہر نکلنے کو قرآنِ کریم نے "تبرج جاہلیۃ" کے نام سے یاد کیا ہے۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ [۲]

اور اپنے گھروں میں جمی (بیٹھی) رہو اور اگلے زمانہ جاہلیت کے (سے) بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو۔

سنن بیہقی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

شر النساء المتبرجات وهن المنافقات [۳]

"بدترین وہ عورتیں ہیں جو بناؤ سنگھار دکھاتی پھرتی ہیں، وہ منافق عورتیں ہیں۔"

الرافلة في الزينة في غير اهلها كمثل ظلمة يوم القيمة لا نور لها [۴]

اپنے گھر بار سے باہر زینت اور تبختر کے ساتھ چلنے والی عورت قیامت کے روز بے نور ہو گی۔

افسوس! آج کل گھر میں تو سادہ سے کپڑوں میں عموماً وقت گزارتی ہیں مگر جب باہر نکلتی ہیں تو خوب بن ٹھن کر نکلتی ہیں اور اس کو کوئی بھی شخص برا محسوس نہیں کرتا حالانکہ شرعاً یہ ممنوع ہے۔ کیوں کہ اس سے فتنے پیدا ہوتے ہیں اور اس کے جلنے اور جلیے کچھ اثرات نکل رہے ہیں، وہ اب کسی سے بھی مخفی

[۱] کامل ابن عدی۔ عن انس [۲] پ۲۲۔ ع ۱۔ الاحزاب [۳] بیہقی [۴] ترمذی۔ عن میمونہ بنت سلام

نہیں رہے ۔ بھڑکیلے برقعوں اور زرق برق کپڑوں نے تو بہت سے گھروں کی مالی حالت اور عزت وآبرو کی دولت کو غارت کیا ہے ۔ اس کمزوری کیطرف توجہ کریں ورنہ حالات اور خراب ہوجائیں گے ۔

غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ

آج کل دنیا میں شرعی پردہ تقریباً تقریباً ناپید ہوچکا ہے ۔ جتنا ہے بس ایک رسم اور رواج ہے اور یہ عام بیماری ہے کہ غیروں سے پردہ کیا جاتا ہے ۔ مگر نامحرم رشتہ داروں سے کوئی خاتون پردہ نہیں کرتی ۔ حالانکہ شرعی پردہ یہ ہے کہ :۔

"جس سے کسی حالت اور درجہ میں نکاح ہو سکتا ہے ۔ وہ نامحرم ہے خواہ رشتہ دار بھی ہو اور جس سے کسی بھی درجہ سے نکاح کرنا ناجائز ہے وہ محرم ہے ۔ بس جو نامحرم ثابت ہو اس سے پردہ کرنا ضروری ہے اور جو محرم ہے اس سے کوئی پردہ نہیں "

طبقات ابن سعد میں ایک روایت[1] ہے کہ :۔

" آیتِ حجاب کے نزول کے بعد ازواجِ مطہرات نسبی اور رضاعی رشتہ داروں کے سوا باقی سب سے پردہ کیا کرتی تھیں یہاں تک کہ حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے سامنے بھی نہیں آتی تھیں "۔

حضور علیہ السلام نے دیور کو موت کہا ہے :۔

الحمو الموت [2] دیور تو موت ہے ۔

اس لیے خلوت اور اس کے سامنے ننگے منہ جانا بھی بھاوجہ کے لیے ممنوع ہے ۔

آیت حجاب کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول اٹھے کہ :۔

ایحجبنا محمد عن بنات عمنا

کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنی چچازاد بہنوں سے بھی پردہ کرائیں گے ؟

اس پر آیت نازل ہوئی :۔

---

[1] آئندہ شمارے میں اس حدیث کی تحقیق آئے گی ، انشاء اللہ (۲) بخاری ،

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ

اور تم کو کسی طرح شایاں نہیں کہ رسولِ خدا کو دکھ دو۔

ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ پردہ ہراس شخص سے ضروری ہے جس سے کسی حالت میں بھی نکاح ممکن ہے مگر یہاں دستور ہی اور چل نکلا ہے کہ،

"جو پردہ کی قائل ہیں، وہ دوسروں سے تو کرتی ہیں مگر غیر محرم قریبی رشتہ داروں سے بالکل نہیں کرتیں" ——— حالانکہ یہ شرعاً غلط بات ہے۔

رشتہ داروں کا گھروں میں آنا جانا تو رہتا ہی ہے۔ اس لیے ایسی صورت میں اس کا طریقہ یہ ہے کہ عورت ان کے سامنے گھونگٹ کر لیا کرے۔ یہ راہ، راہِ عافیت بھی ہے اور سنتِ رسول بھی۔ اس میں برکت بھی ہے اور عصمت بھی۔

نازک اور سریلی آواز

مردوں کی سریلی آواز عورتوں کے لیے اور عورتوں کی خوش آواز مردوں کے لیے فتنہ ہے۔

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ[1]

نزاکت سے بات نہ کیا کرو، ایسے شخص کو خیال ہونے لگتا ہے جس کے دل میں کھوٹ ہے۔

بول میں ایسی شیرینی جو مردوں کے لیے خصوصی دلچسپی اور کشش پیدا کرتی ہے۔ اسلام میں حرام ہے ——— جہاں بات اور گفتگو کرنے میں اتنی احتیاط فرض کر دی گئی ہے۔ وہاں عورتوں کی ان ساحرانہ سریلی آوازوں کا سننا کسی کے لیے کیسے جائز ہو گا۔ جنہوں نے بوڑھوں تک کے دلوں کو گرما دیا ہے۔ ریڈیو، فلم، گراموفون اور دوسری نجی اور غیر نجی تقریبات میں نوجوان لڑکیوں کے گانوں کی جو بھرمار رہتی ہے، ان کو سب سنتے ہیں۔ مگر یہ بات کسی کو بھی اوپری نہیں لگتی۔

یہی حال مردوں کی آواز کا ہے۔ ایک دفعہ ازواجِ مطہرات کجاوے میں جا رہی تھیں تو ساربان انجشہ نامی غلام صحابی جو بہت خوش آواز تھے۔ حدی خوانی کے ذریعے اونٹوں کو ہانک رہے تھے۔

---

[1] الاحزاب

آپؐ نے اس سے فرمایا:

رویدک یا انجشہ لا تکسر القواریر

اے انجشہ! (حدی خوانی) رہنے دے! ان شیشوں کو نہ توڑیئے۔

معلوم ہوا کہ موسیقی اور سرود و نغمے عورتوں کے لیے بالخصوص کافی مہلک ہیں ——— مگر ہم میں سے کسی کو بھی اس کا ہوش نہیں۔ گھر میں ریڈیو لگے ہیں۔ بچیاں اور بوڑھیاں مردوں کی جادو بھری سریلی تانیں سنتی ہیں اور نوجوان لڑکے اور ادھیڑ مرد لڑکیوں اور عورتوں کے 'فتنہ پرور راگ و راگنیاں' سنتے ہیں، پھر اس پر طرہ یہ کہ بول بھی ایسے کہ پتھر بھی پگھل جائیں۔ لیکن ——— سنتے ہو؟ کیا گھر میں کوئی ہے؟

دوسری کی طلاق کا مطالبہ

یہ ایک عام بیماری ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرا نکاح کرنا چاہے تو بعض عورتیں پہلے یہ مطالبہ کرتی ہیں کہ پہلے اسکو طلاق دے جو اس وقت تیرے نکاح میں ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے منع فرمایا ہے:

لا تسأل المرءۃ طلاق اختھا لتستفرغ صحفتھا ولتنکح فان لھا ماقدرلھا[1]

عورت کو چاہیئے اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تاکہ اس کا پیالہ خالی کرائے اسے نکاح کر لینا چاہیے اس کو وہ ملے گا جو اس کا مقدر ہے

آج کل یہ رسم کافی ہے، پہلے دوسری کا گھر اجاڑتی اور اس کا مقدر بگاڑتی ہیں۔ پھر ان اجڑی بنیادوں پر اپنی آبادی کے محلات تیار کرتی ہیں۔ قیامت میں جو پکڑ ہوگی۔ وہ تو خدا جانے کتنی کچھ ہوگی، ایسی عورتوں کی عموماً دنیا بھی کم ہی آباد رہتی ہے۔ دوسروں کا برا مانگنے والوں کا بھلا کبھی نہیں ہوا۔

لٹکتی ہوئی نہ چھوڑ دو

ایک ساتھ چار عورتیں ایک شخص کے نکاح میں رہ سکتی ہیں۔ بشرطیکہ نباہ سکے اور مقدور بھر عدل و

[1] بخاری، مسلم۔ ابو ہریرہؓ

انصاف کا خیال رکھ سکے، ورنہ حکم ہوتا ہے کہ پھر ایک ہی رکھو، تو چار کہاں۔ پھر ایک سے دوسری کرنے کی بھی اجازت نہیں۔

عدل و انصاف سے غرض ظاہری حقوق میں مساوات ہے۔ باطنی اور قلبی محبت میں مساوات کا مطالبہ نہیں، کیونکہ یہ بات انسان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ بہرحال قرآن کریم کا حکم ہے کہ:۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ [1]

یہ تو تمہارے بس میں نہیں کہ عورتوں میں کماحقہ عدل کر سکو، خواہ کتنا ہی تم چاہو، تو پھر بھی بالکل (ایک ہی طرف) مت جھک پڑو کہ دوسری کو (اس طرح) چھوڑ بیٹھو، گویا (خلا میں) لٹک رہی ہے۔

اس کے علاوہ عورت کو زچ کرنے اور خوار کرنے کی اور بھی کئی ایک صورتیں ہیں مثلاً:۔

- بٹے کے نکاح میں ایک دوسرے سے بدلہ لینے کے لیے بعض اپنی بیوی کو میکے بھیج کر پھر اس کو پوچھتے نہیں۔
- یا بیوی کا قدرتی طور پر دل نہیں لگ سکا تو اس کو اس کی سزا دیتے ہوئے لٹکا رکھتے ہیں، نہ بساتے ہیں نہ طلاق دیتے ہیں۔
- بعض اوقات محض حسد کی بنا پر کہ میں نے چھوڑ دی تو فلاں سے شادی کر لے گی۔ اس لیے اس کو چھوڑو ہی نہیں۔

الغرض اسلام کا حکم ہے، رکھو تو عدل سے رکھو، ورنہ اس کو چھوڑ دو تاکہ وہ اپنا مستقبل بنا سکے۔ لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی عورت ناحق مرد کے رحم و کرم پر چھوڑ دی جائے۔ بسائے نہیں تو اس کو چھوڑے بھی نہیں۔ لٹکائے ہی رکھے۔ ان حالات میں اگر وہ خود ہوش میں نہ آئے تو قاضی کی

---

[1] پ ۵۔ النساء۔ ع ۱۹

طرف رجوع کرکے نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے، بہرحال کسی خاتون کی زندگی برباد کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔

ایک ساتھ تین طلاقیں

تین طلاقیں ایک ساتھ نہیں تھیں بلکہ بعض مفاسد کی روک تھام کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیاستہً ان کو نافذ کر دیا تھا [۱] اصل مسئلہ یہی ہے کہ تین طہروں میں الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ بعض اوقات انسان مغلوب الغضب ہوکر طلاق دے بیٹھتا ہے ٹھنڈا ہونے پر پچھتاتا ہے۔ اس لیے شریعت نے طلاق کے لیے تین طہر قرار دیے، ایام حیض بھی نہیں، پاکی کے دن مقرر کیے۔ اگر اس کے باوجود کوئی طلاق دینے پر مصر ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب یہ جوڑا ایک ساتھ نہیں چل سکے گا۔

حضور علیہ السلام کے عہد میں ایک شخص نے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دے ڈالیں، حضور علیہ السلام نہایت غصہ میں آگئے اور فرمایا:

ایلعب بکتاب اللہ و انا بین اظھرکم [۲] — کیا وہ میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ مخول کرتا ہے۔

قرآن مجید کا نام اس لیے لیا کہ اس میں الگ الگ تین طلاقوں کی تلمیح ملتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ [۳]

طلاق (رجعی) دو بار ہے۔ اس کے بعد اس کو مناسب طریقے سے رکھنا ہے یا باوقار طریقے سے چھوڑنا ہے۔

دو بار کہا ہے، دو طلاقیں نہیں کہا تو معلوم ہوا کہ الگ الگ ہوں گی تو دو بار بنیں گی ورنہ دو بار نہیں کہلا سکیں گی۔ دو بار کے بعد، تیسری بار یہ کرو یا وہ کرو، کا حکم ہے۔ عربی میں "فا" تعقیب کے لیے آتی ہے۔ یعنی جب دو بار ہو جائیں پھر تیسری بار یہ کرو۔ اگر ایک ساتھ تین دے دی جائیں تو "تعقیب" (پھر) کے کوئی

[۱] مسلم شریف۔ ابن عباس [۲] نسائی محمود بن لبید [۳] پ البقرہ

مٹنے نہیں رہیں گے۔

ایک ساتھ تین طلاقوں سے اکثر گھرانے بہت بڑی الجھنوں میں پڑ گئے ہیں۔ بستے رستے گھر جاتے ہیں صرف جذباتی اور وقتی ہیجان میں آکر تین طلاقیں کہ کر عمر بھر کی مصیبت میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ایک مسلم کے گھر کو یونہی ہنسی کھیل اور وقتی جوش کا سہارا لے کر برباد ہونے سے بچایا جائے۔ ہمارے نزدیک ایک مسلکی غلطی کا بھرم رکھنے کے لیے "مسلمان گھر" کو ویران کرنا مناسب نہیں ہے۔ مسلم کا گھر ایک فقہی غلطی کی نذر ہو جائے۔ اسلام کی رو سے بہت بڑی زیادتی ہے۔

والدین کی مرضی کے بغیر نکاح

یہ ٹھیک ہے کہ والدین کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی لڑکی اور لڑکے کے جذبات کا احترام ملحوظ رکھیں لیکن اس سے کہیں زیادہ یہ ضروری ہے کہ والدین کی مرضی اور منشا کو نظر انداز کرنے کا جو رجحان پیدا ہو گیا ہے اس کو روکا جائے۔ کیونکہ نوعمر لڑکی اور لڑکا اپنے مصالح کا صحیح اور سنجیدہ جائزہ لینے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ان کی سب باتیں وقتی جوش پر مبنی ہوتی ہیں۔ اگر ان کو صحیح رخ پر کوئی لگا سکتا ہے تو وہ صرف والدین ہی ہوتے ہیں۔ خصوصاً صنف نازک جو صرف نکاح کے وقت ہی نہیں بعد میں بھی اپنے والدین کی محتاج ہوتی ہے۔ اس لیے شریعت نے اعلان کیا ہے کہ جو لڑکی ولی کی مرضی کے خلاف اڑ کر نکاح کرلے۔ اس کا سرے سے نکاح ہی نہیں ہوتا۔

عن ابی موسٰی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لا نکاح الا بولی[1]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ولی کے بغیر نکاح ہوتا ہی نہیں۔

حضرت عائشہ کی روایت میں ہے:

ایما امرأۃ نکحت نفسها بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل[2]

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی [2] ترمذی، احمد وغیرہما

جس عورت نے خود سر ہو کر اپنے سرپرست (والدین وغیرہ) کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا۔ اس کا نکاح باطل ہے۔ اس کا نکاح باطل ہے۔ اس کا نکاح باطل ہے۔

سرپرستوں سے آزاد ہو کر لڑکی اٹھتی ہے۔ عدالت میں پہنچ کر دعوےٰ کرتی ہے کہ بالغ ہوں اور اپنی مرضی سے فلاں لڑکے سے نکاح کرتی ہوں۔ اس پر عدالت ان کو اس کی اجازت دے دیتی ہے۔ نتیجہ جو نکلتا ہے۔ وہ آپ سب کے سامنے ہے۔ دراصل موجودہ عدالتوں کا یہ اصول، فقہ حنفی سے ماخوذ ہے۔ [2] بہرحال کچھ ہو، اس کے نتائج نہایت دور رس نکل رہے ہیں اور چوری چھپے یارانوں اور معاشقوں کے لیے راستہ ہموار ہو گیا ہے۔ اس لیے ہم پوری ملتِ اسلامیہ سے اپیل کرتے ہیں کہ معزز گھرانوں کی عزت و آبرو کا تحفظ کرتے ہوئے اس قانون کو بدلوانے کی کوشش کرے۔ ورنہ "نہ کر را منزلت نہ مرد را" والا یہ سماں سدا طاری رہے گا۔

جہیز نہیں، انسانیت پر نگاہ رکھیئے

ایک اور مصیبت جس نے صالح معاشرہ کی حد درجہ حوصلہ شکنی کی ہے۔ یہ ہے کہ دنیا رشتے ناطوں میں "انسانیت اور دیانت" کے بجائے دولت اور حسن و جمال جیسی چیزوں کو مقدم رکھتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

تنکح المرأة لاربع لمالها ولحسبها ولجمالها ولدینها فاظفر بذات الدین تربت یداك [1]

چار چیزوں کو دیکھ کر عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ مال، خاندان، حسن اور دین
تیرا بھلا ہو! تو دیندار کو پانے کی کوشش کر۔

مال و دولت ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے، خاندان، افراد سے بنتا ہے، ضروری نہیں کہ خاندان اونچا ہو، تو وابستہ افراد بھی سبھی اور ہر اعتبار سے بھلے ہوں۔ باقی رہا حسن و جمال یقین کیجئے، یہ تو صرف لحظہ بھر

[1] بخاری، مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ [2] کیونکہ حنفیہ کے نزدیک عورت (ولی کے بغیر) اپنا نکاح خود کر سکتی ہے، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مضمون "عورت نکاح میں ولی کی محتاج کیوں ہے؟" محدث جلد ۱ عدد ۷، ۸ (جاری ہے) ۱۲۔ ادارہ

کی شے ہے اور ویسے بھی یہ ایک فتنہ ہے۔ خدا جانے کل اس کا انجام کیا ہو اور اپنے ساتھ کیا کیا قیامتیں لائے ہاں گھر کی آبادی کے لیے ہوشمند اور دیانتدار لڑکی ہی مفید ہو سکتی ہے۔ اس لیے دوسری باتوں کو چھوڑ کر حضور علیہ السلام کے اس مشورہ کی قدر کرنا چاہیے۔ حضور کا ارشاد ہے:

"دنیا ساری ایک ساز و سامان ہے لیکن بہتر ساز و سامان نیک خاتون" ہے:

الدنیا کلھا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ (مسلم)

تصنیفات امام ابن تیمیہ رح

منہاج السنہ، اقامۃ الدلیل علی ابطال التحلیل، تفسیر سورۂ اخلاص، اقتضاء الصراط المستقیم مجموعۃ الرسائل، التحفۃ العراقیۃ فی الاعمال القلبیۃ، التوسل والوسیلہ، تصانیف امام ابن قیم، مدارج السالکین، زاد المعاد، طریق الہجرتین، شفاء العلیل، تحفۃ الودود فی احکام المولود، حادی الارواح، کتاب الروح، اغاثۃ اللھفان، الجواب الکافی، اعلام الموقعین، تصانیف نواب صدیق الحسن خان رح، الدین الخالص، ہدایۃ السائل، نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام، النذیر العریان من درکات النیران البنیان المرصوص، الجوائز والصلات، الروض الخصیب، المحلی لابن حزم، احکام الاحکام لابن حزم، احکام القرآن لابن العربی، طبقات الکبری لابن سعد، الفصل فی الاھواء والملل والنحل لابن حزم، المبسوط للسرخسی، بحر الرائق، در مختار، المدخل لابن الحاج، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، اصول الفقہ بدایۃ المجتہد لابن رشد، تاریخ طبری، تاریخ بغداد، الاستیعاب، تذکرۃ الحفاظ، المستدرک للحاکم، عون المعبود، تحفۃ الاحوذی، الترغیب والترہیب، مجمع الزوائد، فتح المجید، جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین، فیض الباری شرح البخاری، الزرقانی شرح الموطأ، النہایۃ لابن الاثیر، صحیح الترمذی بشرح الامام ابن العربی، اعلاء السنن لاشرف علی رح تھانوی، تفسیر المراغی، الکشاف، الجمل مع الجلالین، تفسیر جامع البیان، فقہ السنۃ، تقریب التہذیب، معالم السنن للخطابی شرح مختصر ابی داؤد، طبقات الحنابلہ، القاموس المحیط المنجد وغیرہ، آپ اپنی کوئی کتاب بیچنا چاہیں تو ہمیں یاد فرمائیں۔

رحمانیہ دار الکتب امین پور بازار لائل پور

حضرت مولانا محمد عبدالغفور رمضان پوری بہاریؒ

قسط نمبر ۲

مُفیدُ الاحناف

ایک ــــ صورتِ ــــ ایتلاف

سوال

آمین بالجہر کسی کتاب فقہ مذہب حنفی سے ثابت ہے یا نہ۔

جواب

ثابت ہے۔ امام ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں لکھا ہے:۔

"و لو كان الى فى هذا شئ لو فقت بان رواية الخفض يراد بها عدم القرع العنيف وروایة الجھر بمعنى قولها فى زير الصوت و ذيلها اھ"

کہ اگر میری طرف اس میں کوئی شے ہوتی (یعنی اگر اس کا فیصلہ میرے سپرد کیا جائے) تو میں یوں مطابقت دیتا کہ آہستہ کہنے کی روایت سے مراد یہ ہے کہ کڑک سخت نہ ہو اور روایت جہر کی بمعنی کہنے آمین کے بیچ نرم آواز و ذیل اس کے۔"

اور امیر ابن الحاج نے حلیہ شرح منیۃ المصلی میں تحریر کیا ہے:۔

"و رجح مشائخنا للمذهب بما لا يعرى عن شئ لمتاملہ فلاجرم ان قال شيخنا ابن الهمام و لو كان الى شئ لو فقت بان رواية الخفض يراد بها عدم القرع العنيف و رواية الجهر بمعنى قولها فى زير الصوت و ذيلها" اھ

"ترجیح دی ہے ہمارے مشائخ نے اس کو واسطے مذہب کے ساتھ اس چیز کے کہ نہیں خالی ہے کسی چیز سے واسطے تامل کرنے والے اس کے پس ضرور ہے جو کہا ہمارے شیخ ابن الہمامؒ نے کہ اگر ہوتی ہماری طرف کوئی شئی البتہ مطابقت دیتا میں اس طرح پر کہ روایت آہستہ کہنے سے ارادہ کیا جاتا ہے کہ کڑک سخت نہ ہو اور روایت با آواز کہنے کی بمعنی کہنے اس کے ہے بیچ آواز نرم اور ذیل اس کے۔"

اور مولانا عبدالعلی بحرالعلوم لکھنوی نے ارکانِ اربعہ میں لکھا ہے:۔

"ولم یرد فیہ الا مارویٰ الحاکم عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا بلغ ولا الضالین قال آمین واخفی بھا صوتہ وھو ضعیف الخ"

نہیں آیا ہے آمین آہستہ کہنے میں مگر وہ کہ روایت کی حاکم نے علقمہ بیٹے وائل سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے یہ کہ نماز پڑھی انہوں نے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پس جبکہ پہنچے ولا الضالین پر کہا آپ نے آمین اور پست کیا آمین کہنے میں آواز اپنی کو اور یہ روایت ضعیف ہے۔

لکھ کر یہ تحریر کیا:۔

ولکن الامر فیہ سھل فان السنۃ التامین اما الجھر والاخفاء فندب اھ

اور لیکن بات اس میں آسان ہے اس لیے کہ سنت آمین کہنا ہے۔ لیکن با آواز کہنا یا آہستہ پس مستحب ہے۔"

اور طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہے:۔

"فعلی ھذا سنیۃ الاتیان بھا تحصل ولو مع الجھر ابو سعود اھ

پس سنت اس بنا پر آمین کہنے کی حاصل ہوتی ہے اگرچہ ساتھ آواز کے ہو۔"

اور مولانا عبدالحیؒ نے تعلیق الممجد میں لکھا ہے:۔

"والانصاف ان الجهر قوی من حیث الدلیل الخ

انصاف یہ ہے کہ آمین بآواز کہنا قوی ہے باعتبار دلیل کے۔"

اور سعایہ میں مولانا ممدوح فرماتے ہیں:

"وجدنا بعد التأمل والامعان القول بالجهر بآمین هو الاصح لکونه مطابقا لما روی عن سید بنی عدنان وروایة الخفض عنه صلی الله علیه وسلم ضعیفة لا توازی روایات الجهر ولو صحت وجب ان تحمل علی عدم القرع العنیف کما اشار الیه ابن الهمام وای ضرورة داعیة الی حمل روایات الجهر علی بعض الاحیان او الجهر للتعلیم مع عدم ورود شئ من ذلک فی روایة والقول بانه کان فی ابتداء الامر ضعیف لان الحاکم قد صححه من روایة وائل بن حجر وهو انما اسلم فی اواخر الامر کما ذکره ابن حجر فی فتح الباری واما اثر ابراهیم النخعی ونحوه فلا توازی الروایات المرفوعة

تو بعد تامل اور غور کرنے کے ہم نے پکار کر آمین کہنے ہی کو صحیح پایا ہے کیونکہ وہ سید بنی عدنان یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مروی ہے اس کے مطابق ہے اور پست آواز کی روایت ضعیف ہے، پکار کر کہنے کی روایتوں کا لگا نہیں کھا سکتی اور اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو خوب کڑک کر نہ کہنے پر محمول کرنا واجب ہو گا جیسا کہ ابن ہمام نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور کوئی ضرورت نہیں ہے کہ روایاتِ جہر کو بعض اوقات یا تعلیم پر محمول کیا جائے، باوجودیکہ یہ کسی روایت میں نہیں آیا اور یہ کہنا کہ جہر ابتداءِ امر میں تھا ضعیف ہے اس لیے کہ حاکم نے اس کو وائل بن حجر کی روایت سے جو صحیح کہا ہے وائل صحابی آخر زمانہ آنحضرت میں ایمان لائے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے اور ابراہیم نخعی اور مثل ان کے سے جو خفیہ کہنا منقول ہے تو ایسے اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اور مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے:۔

"والظاهر الحمل على كلا العملين تارة فتارة

ظاہر حمل کرنا ہے اوپر دونوں عمل آہستہ و آواز کے کبھی وہ کبھی یہ۔"

سوال

نماز فرض میں بعد سورہ فاتحہ کے دو سورہ پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب

نہیں۔ ردالمختار کے صفحہ ۵۱۲ میں ہے:۔

"فی جامع الفتاوی روی الحسن عن ابی حنیفة انه قال لا احب ان یقرء سورتین بعد الفاتحة فی المکتوبات ولو فعل لا یکره وفی النوافل لا باس به

کہ جامع الفتاوی میں ہے کہ روایت کی حسن نے ابوحنیفہؒ سے یہ کہ فرمایا نہیں پسند کرتا ہوں میں پڑھنا دو سورت کا بعد فاتحہ کے نماز فرض میں اور اگر کیا کسی نے مکروہ نہیں اور نوافل میں مضائقہ نہیں۔"

سوال

امام کو سمع اللہ لمن حمدہ کے ساتھ اللھم ربنا لک الحمد ملانا جائز ہے یا نہ؟

جواب

جائز ہے ردالمختار کے صفحہ ۵۱۹ میں ہے:۔

"وقالا یضم التحمید سرا ھو روایة عن الامام ایضا والیه مال الفضلی والطحاوی وجماعة من المتاخرین معراج عن الظهیریة واختاره فی الحاوی القدسی ومشی علیه فی نور الایضاح اھ

یعنی کہا صاحبینؒ نے ملاوے امام ربنا لک الحمد کو آہستہ اور وہ روایت ہے امام ابوحنیفہؒ سے بھی اور اسی کی طرف مائل ہوئے ہیں فضلی وطحاوی اور ایک جماعت متاخرین کی یہ معراج میں

عہ لعله سقط لفظ فی نسیانه فی معراج عن الظهیریة ۱۲ (الادارة)

ہے منقول ظہیریہ سے اور اختیا کیا اس کو حاوی قدسی میں اور چلا اسی پر نور الایضاح میں"

اور عمدۃ الرعایہ میں ہے:۔

"والذی ذھب الیه الجمھور وابو یوسف و محمد و روی عن ابی حنیفة رحمه الله ان الامام ایضاً یقول ربنا لك الحمد سرا بعد التسمیع واختارہ الفضلی و الطحاوی والشرنبلالی و صاحب المنیة وعامة المتاخرین من اصحابنا وھو الاصح الموافق لما ثبت عنه صلی الله علیه وسلم انه کان یقول بعد سمع الله لمن حمدہ ربنا لك الحمد الخ

اور جو کر گئے اس کی طرف جمہور اور ابو یوسف اور محمد اور روایت کیا گیا ہے ابو حنیفہؒ سے بھی یہ ہے کہ امام بھی کہے ربنا لك الحمد آہستہ بعد سمع الله لمن حمدہ کے اور اختیار کیا اس کو فضلی اور طحاوی و شرنبلالی و صاحب منیہ و عامہ متاخرین نے ہمارے اصحاب سے اور وہ صحیح تر موافق ہے اس کے جو ثابت ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہ کرتے تھے بعد سمع الله لمن حمدہ کے ربنا لك الحمد"

سوال

رفع یدین سنت و جائز ثابت ہے یا نہ۔

جواب

"ثابت ہے مولانا عبد العلی نے ارکان اربعہ میں لکھا ہے:۔

"ان ترك فھو حسن وان فعل فلا باس به اھ

اگر چھوڑے رفع یدین کو پس وہ حسن ہے اور اگر کرے رفع یدین پس نہیں مضائقہ ہے ساتھ اس کے"

اور مولانا عبد الحیؒ نے تعلیق الممجد میں تحریر فرمایا ہے:۔

"ولو رفع لا تفسد صلاته کما فی الذخیرۃ و فتاوی الولوالجی وغیرھما من الکتب المعتمدۃ اھ

اور اگر رفع یدین کیا نہیں فاسد ہوگی نماز اس کی جیساکہ ذخیرہ اور فتاوی الولوالجی وغیرہ کتب معتبرہ میں ہے :

اور مولانا ممدوح مغفور نے سعایہ ص۲۱۳ میں لکھا ہے :

"والحق انہ لا شك فی ثبوت رفع الیدین عند الرکوع والرفع منه عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکثیر من اصحابہ بالطرق القویة والاخبار الصحیحة

اور حق یہ ہے کہ شک نہیں ہے ثبوت رفع یدین میں وقت رکوع اور کھڑے ہونے کے رکوع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بہتیرے اصحاب سے ان کے ساتھ طریقوں قویہ اور خبروں صحیح کے :"

اور محی الدین ابن عربی سے دراسات اللبیب میں نقل کیا گیا ہے :

"رفع الیدین فی کل رفع وخفض اھ اٹھانا دونوں ہاتھ کا ثابت ہے ہر اٹھنے اور جھکنے میں"

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے شرح سفر السعادت میں لکھا ہے :

"مارا ازیں چارہ نیست کہ اقرار سنیت ہر دو فعل کنیم۔ آہ"

اور عصام بن یوسف بلخی حنفی ہو کر رفع یدین کرتے تھے جیساکہ طبقات قاری سے تراجم حنفیہ میں منقول ہے :

"وفی طبقات القاری عصام بن یوسف البلخی کان حنفیا روی عن ابن المبارك و الثوری وشعبة وکان صاحب حدیث یرفع یدیہ عند الرکوع وعند رفع الراس منه اھ

اور طبقات قاری میں ہے کہ عصام بن یوسف تھے حنفی روایت کیا ہے ابن المبارک اور ثوری اور شعبہ سے اور تھے محدث اٹھاتے تھے دونوں ہاتھوں اپنے کو وقت رکوع اور وقت اٹھانے سر کے اس سے :"

سوال

درمیان دونوں سجدوں کے اللھم اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی[1] پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

[1] اے اللہ بخشش دے مجھ کو اور رحم کر مجھ پر اور آرام دے مجھ کو اور ہدایت دے مجھ کو اور روزی دے مجھ کو۔

جواب

جائز ہے۔ ردالمحتار کے صفحہ ۵۲۰ میں ہے :

"اقول بل فیه اشارة الی انه غیر مکروہ اذ لو کان مکروها لنهی عنه کما ینهی عن القراءة فی الرکوع والسجود وعدم کونه مسنونا لاینافی الجواز کالتسمیة بین الفاتحة والسورة بل ینبغی ان یندب الدعاء بالمغفرة بین السجدتین خروجا من خلاف الامام احمد لابطاله الصلوٰة بترکه عامدا ۱ھ"

میں کہتا ہوں بلکہ اس میں اشارہ ہے طرف اس بات کے کہ اللھم اغفرلی الخ پڑھنا مکروہ نہیں اس واسطے کہ اگر ہوتا مکروہ ہر آئینہ منع کیا جاتا پڑھنے سے اللھم اغفرلی الخ کے جیسا کہ منع کیا جاتا ہے پڑھنے رکوع وسجود میں اور نہ ہونا اس کا مسنون نہیں منافی ہے جائز ہونے کو جیسا کہ بسم اللہ پڑھنا درمیان فاتحہ اور سورۃ کے بلکہ سزوار ہے یہ کہ مندوب ہے دعاء ساتھ اللھم اغفرلی کے درمیان دونوں سجدوں کے واسطے نکلنے کے خلاف سے امام احمد کے واسطے باطل کرنے ان کی نماز کو بسبب چھوڑ دینے اللھم اغفرلی الخ کے جان بوجھ کر۔"

سوال

جلسۂ استراحت یعنی بعد دونوں سجدوں کے تھوڑا بیٹھ کر کھڑا ہونا جائز ہے یا نہ

جواب

جائز ہے ردالمحتار کے صفحہ ۵۲۸ میں ہے :

"والثانی الجلسة الخفیفة قال شمس الائمة الحلوانی الخلاف فی الافضل حتی لو فعل کما هو مذهبنا لاباس به عند الشافعی ولو فعل کما هو مذهبه لاباس به عندنا کذا فی المحیط ۱ھ

اور دوسرا جلسہ خفیفہ ہے کہا شمس الائمہ حلوانی نے خلاف افضل ہونے میں ہے یہاں تک کہ اگر نہ کیا جیسا کہ وہ مذہب ہے ہمارا نہیں مضائقہ ہے ساتھ اس کے نزدیک شافعی کے اور

اگر کیا جیسا کہ وہ مذہب ہے ان کا نہیں مضائقہ ہے ساتھ اس کے نزدیک ہمارے اس طرح ہے محیط میں الخ"

اور بھی رد المحتار میں ہے :-

"ما ورد من انه صلى الله عليه وسلم اذا كان فى وتر لم ينهض حتى يستوى قاعدا فتشريع لبيان الجواز او عند كبر سنه اه"

اور وہ جو وارد ہے کہ بہ تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ بیچ طاق رکعت کے یعنی پہلی اور تیسری میں نہ کھڑے ہوتے یہاں تک کہ برابر ہوتے بیٹھ کر پس تشریع ہے واسطے بیان جواز کے یا وقت بڑھاپے کے ۔ الخ"

اور بحر الرائق میں ہے :-

"واما ما رواه البخاری عن مالك بن الحويرث انه رأى النبى صلى الله عليه وآله وسلم يصلى اذا كان فى وتر من صلاته لم ينهض حتى يستوى قاعدا فمحمول على حالة الكبر كما فى الهداية ويرد عليه ان هذا الحمل يحتاج الى دليل وقد قال عليه الصلوة والسلام لمالك بن الحويرث لما اراد ان يفارقه صلوا كما رايتمونى اصلى ولم يفصل فكان الحديث حجة للشافعى فالاولى ان يحمل على تعليم الجواز هذا والله اعلم قال فى الفتاوى الظهيرية قال شمس الائمة الحلوانى ان الخلاف انما هو فى الافضلية حتى لو فعل كما هو مذهب الشافعى لا باس به عندنا اه"

اور وہ جو روایت کیا ہے بخاری نے مالک بن حویرث سے یہ کہ دیکھا انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے تھے جب کہ ہوتے بیچ طاق نماز اپنی کے نہیں کھڑے ہوتے یہاں تک کہ برابر ہوتے بیٹھ کر پس محمول ہے اوپر حالت بڑھاپے کے جیسا کہ ہدایہ میں ہے ۔ وارد ہوتا ہے اعتراض اوپر اس کے یہ کہ بہ تحقیق بڑھاپے پر حمل کرنا محتاج ہے طرف دلیل کے حالانکہ بہ تحقیق

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واسطے مالک بن حویرث کے جس وقت ارادہ کیا اس نے کہ جدا ہو آپ سے کہ نماز پڑھتے رہنا جیسا کہ دیکھا تم لوگوں نے مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے اور نہیں تفصیل کی ذکر جلسہ بسبب بڑھاپے کے کرتا ہوں، پس ہوگی دلیل واسطے شافعی کے پس بہتر یہ ہے کہ حمل کیا جائے اوپر تعلیم جواز کے واللہ اعلم - کما فتاوی ظہیریہ میں کہ کہا شمس الائمہ حلوانی نے کہ تحقیق خلاف افضلیت میں ہے یہاں تک کہ اگر کیا جلسہ جیسا کہ وہ مذہب شافعی کا ہے نہیں مضائقہ ہے ساتھ اس کے نزدیک ہمارے الخ"

مصباح الہدایہ شرح عوارف میں ہے "اگر دیگر بارہ برخواہد خاست از برائے جلسہ استراحت بنشیند آہ"

مدرسہ رحمانیہ — ایک تعلیمی و تربیتی مرکز

موجودہ دور میں دینی مدارس میں کتاب و سنت کی تعلیم کیساتھ عصری علوم کی جس شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے، وہ اصحابِ علم و بصیرت سے مخفی نہیں، اسی مقصد کے پیش نظر چند سال قبل علماء و ماہرین تعلیم کے گذشتہ ستر اسی سالہ اصلاحی تجاویز کی روشنی میں ایک تعلیمی و تربیتی منصوبہ تیار کیا گیا اور مدرسہ رحمانیہ گارڈن ٹاؤن لاہور میں اس کی ابتداء کی گئی، جس سے بفضلہ تعالیٰ دو سال کے قلیل عرصہ میں بہترین نتائج نکلے ہیں، امسال چار طلبہ نے دینی علم کے ساتھ مڈل کا امتحان اور تین نے میٹرک کا امتحان بورڈ سے دیا ہے۔ ہمارا مقصد ایسے علماء تیار کرنا ہے۔ جو کتاب و سنت کی تعلیمات کو عصر حاضر کے تقاضاؤں کے مطابق پیش کر کے اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر رائج کر سکیں۔

مدرسہ کے نصاب تعلیم میں تخفیف کیساتھ اس بات کا خصوصی لحاظ رکھا گیا ہے کہ جملہ علوم کی تعلیم معیاری ہو، اس کے لئے علوم کو تین حصوں میں تقسیم کر کے تعلیمی اوقات کی تین شفٹیں بنا دی گئی ہیں یعنی دینی علوم (صبح ۳ گھنٹے) عربی علوم (دوپہر ۲ گھنٹے) عصری علوم (سہ پہر ۲ گھنٹے)، اسی طرح قابل کہنہ مشق، دینی اور دنیاوی علوم کے ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئی ہیں مندرجہ ذیل علماء مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی کے زیر نگرانی تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

حافظ ثناء اللہ صاحب کلسوی فاضل مدنی، مولانا عبدالسلام صاحب کیلانی فاضل مدنی، شیخ مزمل احسن ایم اے، بی ایڈ، مولانا لیاقت صاحب بی۔ ایس سی، بی ایڈ

مولانا عبدالرحمن صابر فاضل عربی (او، ٹی)، بی، اے، قاری عبدالخالق صاحب

دیندار، محنتی طلبہ داخلہ کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ قائم کریں۔

حافظ عبداللہ (روپڑی) مدرسہ رحمانیہ (رجسٹرڈ) گارڈن ٹاؤن لاہور (۱۶)

Regd. No. L. 7895 AUGUST, 1971

Monthly **MUHADDIS** Lahore-16

Islamic Research Council

Vol : I	JUMADAL-UKHRA 1391 A. H.	No. 9

ہر قسم کے سٹیم پائپ، پائپ فٹنگز اور سٹیم والو وغیرہ

نہایت معیاری اور ارزاں خریدنے کیلئے

میسرز- حافظ عبدالوحید اینڈ برادرز

برانڈرتھ روڈ (رام گلی نمبر۲) لاہور

سے رابطہ قائم کریں

ٹیلیفون نمبر ۶۳۲۹۰-۸

ٹیلیفون دفتر ۵۳۸۶۲

سٹاکسٹ اور جنرل آرڈر سپلائرز

جی آئی ایم ایس (سیم لیس پائپ) پائپ فٹنگز اور ولایتی و دیسی والوز وغیرہ

ماہنامہ **مُحدِّث** لاہور

ذیلی دفتر	صدر دفتر
حافظ عبدالوحید اینڈ برادرز	مدرسہ رحمانیہ (رجسٹرڈ)
رام گلی نمبر ۲ - لاہور	گارڈن ٹاؤن - لاہور ۱۶

بیرونِ ملک		معاونین سے :-	
مشرق اوسط :	۱ پونڈ ۵ شلنگ	زرِ سالانہ	۱۰ روپے
مغربی ممالک :	۱ پونڈ ۱۰ شلنگ	فی پرچہ	۹۰ پیسے

فون نمبر ۶۳۲۹۰

ٹیلیفون دفتر ۵۳۸۶۲